Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

ماہنامہ کشمیر الیوم

(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 20، شمارہ نمبر 4، نومبر 2022 ربیع الثانی / جمادی الاوّل ۱۴۴۴ھ

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی | حامد میر

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں و کشمیر : غازی محمد اعظم

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوار الحق

نیو یارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد

کمپوزنگ :

منیجر فنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

اس شمارے میں

اداریہ	وہ کب آئیں گے اور عالمی ضمیر کب جاگے گا!!!	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
بلاتکلف	اقوام متحدہ اور مسئلہ کشمیر	متین فکری	4
گرداب	تہاڑ جیل کا اژدھا	سید عارف بہار	6
اظہار خیال	6 نومبر جب چناب اور توی خون سے بھر گئے	غلام اللہ کیانی	8
حرف حُر	الطاف فنتوش میرا دوست، میرا بھائی	شیخ محمد امین	12
فکر و نظر	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما	عبد الہادی احمد	14
آئینہ	کشمیر کا مقدمہ کون لڑے گا۔۔۔؟	محمد احسان مہر	15
فکر و دانش	الطاف شاہ کی موت۔۔۔۔	افتخار گیلانی	17
نقش و خیال	کیا بھٹو کو تحریک آزادی کشمیر یاد نہ تھی؟	شہزاد احمد منیر	21
شخصیات	امام علامہ یوسف القرضاویؒ	اویس بلال	24
گوشہ اسلام	مسیح الدجال۔۔۔دجال کون!!!	ڈاکٹر عبد الرؤف	26
عالمی پریس	بنگلہ دیش میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	28
کشمیر کے شب و روز	مقبوضہ کشمیر میں خونین معرکے	ہمایوں قیصر	30

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے،
جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقامِ اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 40 روپے، سالانہ زرتعاون 400 روپے

خط و کتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ ''کشمیر الیوم'' NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

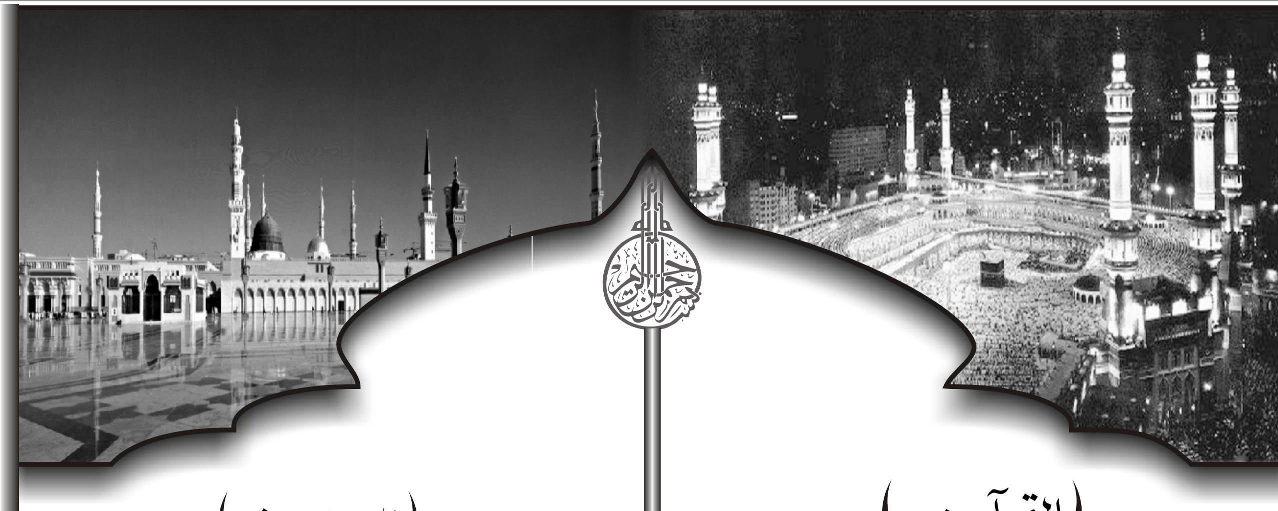

القرآن

غیب کا علم صرف اللہ ہی جانتا ہے!!!

مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔اور اے قوم، اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کی پکڑ سے کون مجھے بچانے آئے گا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں کیا اتنی بات بھی نہیں آتی؟ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔اور یہ بھی میں نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی۔ان کے نفس کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔اگر میں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا۔آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ ''اے نوحؑ تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کرلیا۔اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو''۔نوحؑ نے جواب دیا ''وہ تو اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے روک دو۔اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب کہ اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کرلیا ہو وہی تمہارا ربّ ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔''

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ سب کچھ خود گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو''اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو مجھ پر اپنے جرم کی ذمہ داری ہے، اور جو جرم تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں۔''

سورہ ہود آیت نمبر 30 تا 35 تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

اچھے اعمال کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا انعام ہے!!!

سعید بن عبدالعزیز، ربیعہ بن یزید، سے وہ ابوادریس خولانی سے، وہ حضرت ابوذر جندب بن جنادہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، انس و جن، سب ایک کھلے میدان میں جمع ہوکر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کردوں تو اس سے میرے خزانوں میں اتنی کمی ہوگی جتنی کمی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔اے میرے بندو! یقیناً تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے گن گن کر رکھتا ہوں، پھر تمہیں ان کا پورا بدلہ دیتا ہوں، پس جو بھلائی پائے، وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے، وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔''
(مسلم)

فوائد ومسائل: اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا بیان ہے، اس لیے ہر چیز صرف اسی سے مانگی جائے۔انسان کے اچھے برے اعمال کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے اور روز قیامت وہ نوشتہ کھل کر انسان کے سامنے آجائے گا، اس لیے کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ کل کو اس کا حساب دینا ہے۔اچھے اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جبکہ انسان بُرے اعمال اس کے نفس امارہ کے باعث سرزد ہوتے ہیں، اس لیے بُرے اعمال کے ارتکاب میں تقدیر کا سہارا لینا ناجائز ہے۔

وہ کب آئیں گے اور عالمی ضمیر کب جاگے گا!!!

جموں وکشمیر پر جابرانہ فوجی قبضے کے فوراً بعد ڈوگرہ فورسز اور آر ایس ایس سے وابستہ غنڈوں اور دہشت گردوں نے نہرو اور پٹیل کی براہ راست آشیر باد سے کھلے عام نہتے مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا اور اُن کی جائیدادوں کو قبضے میں لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ نومبر 1947 کے پورے مہینے میں بالعموم اور 4، 5 اور 6 نومبر کو اس بربریت کا ایسا مظاہرہ ہوا جس کی انسانی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ 6 نومبر 1947ء کو جموں کے مسلمانوں کو پاکستان بھیجنے کے بہانے پولیس لائنز میں جمع کیا گیا اور شہر کے مضافات میں لے جا کر انہیں بہت ہی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ جوان عورتوں کو برہنہ کر کے اُن کو جلوس کی شکل میں پورے شہر میں گھمایا گیا۔ لندن ٹائمز کی 10 اگست 1948 کی رپورٹ کے مطابق 3 لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت صفحہ ہستی سے مٹایا گیا۔ اور اس کام میں ہندو انتہا پسندوں کے ساتھ ساتھ مہاراجہ کے سپاہیوں نے بھی کردار ادا کیا۔ السٹر لیمب کے مطابق جموں میں 350 مساجد کو جلا کر شہید کیا گیا، جموں ضلع میں مسلمان 1941ء میں کل آبادی کا 37 فیصد تھے، جبکہ 1961ء میں وہ صرف 10 فیصد رہ گئے۔ اس طرح مسلمانوں کا مکمل صفایا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمانوں کی جائیدادیں کسٹوڈین کو دی گئیں، لیکن ان پر بھی ہندو دہشت گردوں نے قبضہ کر لیا۔

Statesman اخبار کے ایڈیٹر آئن اسٹیفنز کے مطابق مسلمانوں کے قتل عام میں پنجاب کے راجواڑوں، پٹیالہ، کپورتھلہ، فرید کوٹ اور نواحی علاقوں کے مہاراجوں کے علاوہ نہرو اور پٹیل کی ہندو دہشت گردوں کو مکمل حمایت حاصل تھی۔ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان ہجرت کے موقع پر حیوانیت کا نشانہ بنایا گیا، اسی طرح جموں کے مسلمانوں پر بھی قیامتیں ٹوٹ پڑیں۔ تقریباً 20 لاکھ سے زائد لوگ پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ 6 نومبر شہدائے جموں کے نام سے آج بھی منانے کی رسم موجود ہے۔ قابض قوتوں نے قتل عام کا یہ سلسلہ ختم نہیں کیا۔ 6 نومبر 1947 سے آج تک ان کے ہاتھوں پانچ لاکھ سے زائد فرزندانِ وطن جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ سینکڑوں بستیاں اور بازار تاخت وتاراج ہو چکے ہیں۔ 6 ہزار گمنام قبریں دریافت ہو چکی ہیں اور دس ہزار معززین وطن مفقود الخبر ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔

بھارت مقبوضہ ریاست میں اپنی فوجی گرفت مضبوط اور مستحکم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کر رہا۔ 1947ء میں تقسیم ہند کے وقت مغربی پاکستان سے بھاگے ہوئے لاکھوں ہندو شرنارتھیوں اور دیگر غیر ریاستی باشندوں کو مستقل شہریوں کی حیثیت سے بسانے کے مذموم اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ جموں کے دور دراز دیہاتی وسرحدی علاقوں میں سکونت پذیر مسلمانوں کو بالجبر اپنی رہائشگاہوں اور جائیدادوں سے محروم کر کے کھلے آسمانوں تلے مہاجرانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

ریاستی انتظامیہ بالخصوص جموں کی صوبائی انتظامیہ میں کلیدی عہدوں پر مسلم آفسرز کو ہٹانے کے بعد ہندوتوا کے حامی افسران کو تعینات کیا جا رہا ہے۔ ''بھارت میں رہنا ہے۔۔۔ تو وندے ماترم کہنا ہے'' کا روح فرسا پیغام اعلانیہ سنایا جا رہا ہے۔ ریاست کے مسلم اکثریتی علاقوں بالخصوص وادی کشمیر کو معاشی بدحالی سے دوچار کرنے کی منصوبہ بند کوششیں ہو رہی ہیں۔ سیاحت، گھریلو دستکاری، فروٹ انڈسٹری، قیمتی تعمیراتی لکڑی کی صنعت، گھنے جنگلات اور قیمتی معدنیات کے ذخائر کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ لوٹ بھی لیا جاتا ہے۔ ریاست کے آبی ذخائر سے محتاط اندازے کے مطابق 28000 کروڑ مالیت کی بجلی سالانہ بیرونِ ریاست پنجاب، ہریانہ، راجستھان اور دہلی وغیرہ کو منتقل کی جا رہی ہے جبکہ خود مقبوضہ ریاست کے بیشتر علاقہ جات اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حریت پسند عوام کے جذبہ حریت اور عزمِ صمیم کو کمزور کرنے کے لیے کشمیریوں کا معاشی مقاطعہ (Economic Blockade) کرنے کا نسخہ آزمایا جا رہا ہے۔ جابرانہ قبضہ جاری رکھنے کے لیے، یہ تمام حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کشمیری قیادت کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے، جہاں سے ان کی لاشیں آ رہی ہیں۔ 20 دسمبر 2019ء کو 65 سالہ رہنما غلام محمد بٹ کلنگام ہندوارہ کی لاش الہ آباد نینی سنٹرل جیل سے ان کے آبائی گاؤں روانہ کر دی گئی۔ 5 مئی 2021 اشرف صحرائیؒ جموں جیل میں انتہائی کسمپرسی اور بے بسی کی حالت میں اللہ کے حضور پہنچے۔ 10 اکتوبر 2022 الطاف فنتوشؒ نے تہاڑ جیل میں آخری سانسیں لیں۔ امام سید علی گیلانیؒ بھی نظر بندی کی حالت میں رخصت کر گئے۔ جیلوں میں جی رہے دیگر قائدین کا بھی اسی طرح انتظار کیا جا رہا ہے۔

انہی حالات میں آج کشمیری بزبان حال پوچھ رہے ہیں کہ آزاد کشمیر ریڈیو سے ہمیشہ کشمیریوں کے لیے یہ پیغام نشر کیا جاتا ہے کہ

''میرے وطن تیری جنت میں آئیں گے اک دن۔۔۔ ستم شعاروں سے تجھ کو چھڑائیں گے ایک دن۔۔۔ میرے کشمیر!''

۔۔!وہ کب آئیں گے اور عالمی ضمیر کب جاگے گا۔۔۔۔

اقوام متحدہ اور مسئلہ کشمیر

متین فکری

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سالانہ اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس عالمی رہنماؤں کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ بھی ہے اور سائڈ لائن پر لیڈروں کی ملاقاتیں بعض اوقات جنرل اسمبلی کے اجلاس سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ کسی زمانے میں پاکستان اور بھارت کے لیڈروں کی ملاقات یا عدم ملاقات کو ذرائع ابلاغ میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس حوالے سے مسئلہ کشمیر بھی زیر بحث رہتا تھا۔ اب کی دفعہ پاکستان سے وزیر اعظم شہباز شریف نے اجلاس میں شرکت کی جبکہ بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی اجلاس میں نہیں آئے اس لئے دونوں لیڈروں کی ملاقات یا عدم ملاقات کے حوالے سے کوئی قیاس آرائی میڈیا میں جگہ نہ پا سکی البتہ پاکستانی وزیر اعظم نے اجلاس سے اپنے خطاب میں مسئلہ کشمیر کا ذکر کر کے پاکستان کی دیرینہ روایت کو برقرار رکھا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان ہمسایہ ملک بھارت کے ساتھ امن سے رہنا چاہتا ہے اور خطے میں قیام امن کے لیے مسئلہ کشمیر کا حل ناگزیر ہے۔ وزیر اعظم شہباز شریف نے بھارت کو مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کی پیش کش بھی کی۔ بھارت نے اس کا کیا جواب دیا وہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر گذشتہ 74 سال سے اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر ہے۔ اقوام متحدہ نے اس مسئلے پر پہلی قرارداد 21 اپریل 1948 کو اتفاق رائے سے منظور کی تھی اور بھارت نے بھی اس قرارداد کو تسلیم کیا تھا۔ قرارداد میں ریاست جموں و کشمیر میں آزادانہ رائے شماری کے لیے اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک کمیشن قائم کرنے، ریاست میں ایک غیر جانبدار حکومت قائم کرنے، امن وامان کے قیام کے لیے مقامی افراد کی فوج تیار کرنے اور اقوام متحدہ کی جانب سے ناظم رائے شماری مقرر کرنے کی تجاویز دی گئی تھیں۔ بھارت چونکہ خود مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے گیا تھا اس لئے اس نے بادل ناخواستہ یہ قرارداد تسلیم تو کر لی لیکن اس کا زیادہ اصرار جنگ بندی پر تھا۔ وہ بار بار اقوام متحدہ سے اپیل کر رہا تھا کہ پہلے جنگ بندی کرائی جائے اور پاکستان قبائلی مجاہدین کو ریاست سے واپس بلائے پھر سازگار ماحول میں رائے شماری کی بات بھی کی جائے۔ بھارت اقوام متحدہ اور اس کے کارپردازوں پر یہ دباؤ اس لئے ڈال رہا تھا کہ کشمیری عوام کے تعاون سے قبائلی مجاہدین کی پیش قدمی بدستور جاری تھی وہ ریاست کا ایک حصہ آزاد کرا چکے تھے اور اب سرینگر کی طرف بڑھ رہے تھے، بھارت کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر سرینگر پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا تو پوری ریاست جموں و کشمیر پاکستان کی تحویل چلی جائے گی اور اس کا جنگ بندی پر اصرار بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اس نے مذکورہ قرارداد میں یہ شق بھی شامل کرائی کہ پاکستان اپنے شہریوں اور قبائلی مجاہدین کو ریاست سے واپس بلالے۔ پاکستان نے اس شق کی اس لیے مخالفت نہیں کی کہ پاکستان وہ سمجھتا تھا کہ ریاست میں آزادانہ رائے شماری کا فیصلہ ہو چکا ہے اور خود اقوام متحدہ نے اس کی ضمانت دی ہے اس لیے مزید عسکریت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے قرارداد کو تسلیم کرتے ہوئے قبائلی مجاہدین اور پاکستانی عسکریت پسندوں کو واپس بلا لیا البتہ ریاست کا وہ حصہ بدستور اس کی تحویل میں رہا جو کشمیری اور قبائلی مجاہدین آزاد کرا چکے تھے بعد ازاں وہاں ''آزاد ریاست جموں و کشمیر حکومت'' قائم کر دی گئی دریں اثناء بھارت کا وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو جو مکاری و عیاری میں اپنی مثال آپ تھا کشمیری عوام اور بین الاقوامی برادری کو مسلسل یقین دلاتا رہا کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ آزادانہ رائے شماری کے ذریعے کشمیری عوام کی مرضی سے ہوگا اور بھارت خوشدلی سے ان کے فیصلے کو تسلیم کرے گا۔

قدرت اللہ شہاب نے جو خود بھی کشمیری ہیں اپنی خودنوشت ''شہاب نامہ'' میں پنڈت نہرو کے ایسے نو بیانات رقم کیے ہیں

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سالانہ اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس عالمی رہنماؤں کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ بھی ہے اور سائڈ لائن پر لیڈروں کی ملاقاتیں بعض اوقات جنرل اسمبلی کے اجلاس سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ کسی زمانے میں پاکستان اور بھارت کے لیڈروں کی ملاقات یا عدم ملاقات کو ذرائع ابلاغ میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس حوالے سے مسئلہ کشمیر بھی زیر بحث رہتا تھا۔ اب کی دفعہ پاکستان سے وزیر اعظم شہباز شریف نے اجلاس میں شرکت کی جبکہ بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی اجلاس میں نہیں آئے اس لئے دونوں لیڈروں کی ملاقات یا عدم ملاقات کے حوالے سے کوئی قیاس آرائی میڈیا میں جگہ نہ پا سکی

جن میں وہ کشمیریوں اور عالمی رائے عامہ کو یقین دلا رہا ہے کہ بھارت ہر حال میں اپنے اس موقف پر قائم رہے گا کہ کشمیری عوام ہی اپنی قسمت کے مالک ہیں اور رہی آزادانہ استصواب رائے اپنے سیاسی مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں ’’بھارتی وزیر اعظم کے اس نوعیت کے بے شمار اعلانات اور بیانات کے انبار میں سے میں نے یہاں چند ایک کا انتخاب کر کے درج کیا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے ایک اعلان یا بیان بھی سچائی،خلوص،نیک نیتی اور دیانتداری پر مبنی نہ تھا۔یہ ساری لفاظی پُرفریب وعدوں کی نمائش تھی جس کے ذریعے اقوام عالم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا الّو سیدھا کرنا تھا،راج نیتی میں جواہرلعل نہرو اپنے مہا گرو چانکیہ کے نہایت کامیاب چیلے تھے۔ایک طرف وہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کو برضا ورغبت قبول کیے بیٹھے تھے جن کی رو سے انہوں نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ کشمیر کا مسئلہ ایک آزادانہ،منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے طے ہوگا جس کا بندوبست اقوام متحدہ کا مقرر کردہ ناظم رائے شماری کریگا لیکن دوسری جانب جنگ بندی کے فوراً بعد بھارت نے ان قراردادوں پر عملدرآمد میں طرح طرح کے روڑے اٹکانے شروع کر دیئے تھے۔جوں جوں کشمیر پر بھارت کا قبضہ مستحکم ہوتا گیا،اسی رفتار سے بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہرلعل نہرو کی وعدہ خلافیوں ،بے وفائیوں اور فریب کاریوں کا راز بھی طشت از بام ہوتا چلا گیا‘‘

اور یہ سب کچھ اقوام متحدہ کی چشم پوشی اور براہ راست سرپرستی میں ہوا کیونکہ اس ادارے پر قابض عالمی قوتوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ پاکستان کو کشمیر نہیں لینے دیں گی اور اسے اس کی حد میں رکھیں گی،امریکا،برطانیہ،فرانس،روس سب بھارت کے حامی تھے روس تو کشمیر کے بارے میں قراردادوں کو ویٹو کر کے کھلم کھلا بھارت کی طرفداری کر رہا تھا جبکہ امریکا منافقانہ روش اختیار کیے ہوا تھا۔رہا برطانیہ تو وہ برصغیر سے جاتے وقت جان بوجھ کر یہ خنجر پاکستان کے قلب میں چبھو گیا تھا تا کہ اس سے ہمیشہ خون رستا رہے اور پورا خطہ بدامنی کی آگ میں جھلستا رہے۔ذرا گہرائی میں جا کر اقوام متحدہ کی ساخت اور اس کی کارکردگی پر غور کریں گو صاف محسوس ہوتا ہے کہ عالمی طاقتوں بالخصوص امریکا نے یہ ادارہ اس لیے بنایا ہے کہ اس کی آڑ میں مسلمان ملکوں کے گرد گھیرا تنگ کیا جائے،انہیں مسائل کے گرداب میں پھنسا یا جائے۔امریکا یہ سارے کام بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کر رہا ہے،تمام مغربی مما لک اس کی پشت پر ہیں اور اقوام متحدہ کی اسے مکمل تائید وحمایت حاصل ہے۔امریکا نے مسلمان ملکوں کے خلاف دہشت گردی کا ہوّا کھڑا کر رکھا ہے۔وہ خود دہشت گردی کر رہا ہے اور الزام مسلمانوں پر لگا رہا ہے اور اقوام متحدہ اس کی تائید کر رہی ہے،امریکا نے ایک نہایت غریب،پسماندہ اور مفلوک الحال مسلمان ملک افغانستان پر بلا جواز حملہ کیا اور چالیس نیٹو مما لک کی فوجوں کو ساتھ ملا کر اس بے یارومددگار ملک پر چڑھ دوڑا تو

راج نیتی میں جواہرلعل نہرو اپنے مہا گرو چانکیہ کے نہایت کامیاب چیلے تھے۔ایک طرف وہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کو برضا ورغبت قبول کیے بیٹھے تھے جن کی رو سے انہوں نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ کشمیر کا مسئلہ ایک آزادانہ،منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے طے ہوگا جس کا بندوبست اقوام متحدہ کا مقرر کردہ ناظم رائے شماری کریگا لیکن دوسری جانب جنگ بندی کے فوراً بعد بھارت نے ان قراردادوں پر عملدرآمد میں طرح طرح کے روڑے اٹکانے شروع کر دیئے تھے۔جوں جوں کشمیر پر بھارت کا قبضہ مستحکم ہوتا گیا،اسی رفتار سے بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہرلعل نہرو کی وعدہ خلافیوں ،بے وفائیوں اور فریب کاریوں کا راز بھی طشت از بام ہوتا چلا گیا

اقوام متحدہ کی سند توثیق اس کے پاس تھی،پھر وہ عراق پر حملہ آور ہوا تو اقوام متحدہ نے آگے بڑھ کر اس کی حمایت کی،اس وقت کشمیر،فلسطین،بھارت،برما اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کا جو لہو بہہ رہا ہے اس میں اقوام متحدہ بھی بالواسطہ طور پر شریک ہے کیونکہ اس ادارے نے امن عالم کی ذمہ داری اپنے سر قبول کی ہے اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اس کے پاس اختیارات بھی ہیں لیکن وہ اپنے اختیارات کو اس وقت استعمال کرتا ہے جب مسلمانوں کے خلاف کارروائی مقصود ہوتی ہے۔مسلمانوں کے حق میں اس نے اپنے اختیارات کو کبھی استعمال نہیں کیا۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو مسئلہ کشمیر کے حل میں اقوام متحدہ سے توقع رکھنا یا اقوام متحدہ کے فورم پر اسے اٹھانا ایک لا حاصل بات ہے ۔یہ مسئلہ صرف اور صرف قوت بازو سے حل ہوگا۔اگر پاکستان کے بازوؤں میں دم ہے تو وہ اسے آج حل کر سکتا ہے اسے بھارت سے مذاکرات کی بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جناب متین فکری پاکستان کے ممتاز صحافی،دانشور،محقق اور مصنف ہیں۔روزنامہ جنگ کشمیر ایڈیشن کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دے چکے ہیں۔کشمیر اور تحریک آزادی کشمیر کیلئے ان کی قلمی وعلمی محاذ پر جدوجہد سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔کشمیر الیوم کیلئے اس پیرانہ سالی میں بھی مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

تہاڑ جیل کا اژدھا

سید عارف بہار

دہلی کی تہاڑ جیل کشمیریوں کے لئے اب وادیٔ مرگ بن چکی ہے جہاں مقبول بٹؒ سے افضل گوروؒ تک یا تو کشمیریوں کو پھانسی کے پھندوں کا خراج ملتا ہے یا سید الطاف شاہؒ کی طرح انہیں لاشوں میں ڈھال کر واپس بھیجا جاتا ہے۔ سید علی گیلانیؒ کے داماد اور تحریک حریت کے فعال راہنما سید الطاف شاہؒ تہاڑ جیل میں قتل ہونے والے تیسرے راہنما ہیں۔ اس جیل سے اگر کوئی کشمیری قیدی زندہ بھی آیا تو اپنے ساتھ کئی جسمانی اور ذہنی عارضوں کی سوغات لئے ہوئے تھا جو زندگی بھر اس کے ساتھ چمٹے رہے۔ بھارت کی نئی حکمت عملی یہ ہے کہ کشمیر کی موجودہ نسل پر سیاسی اور نظریاتی اثر رسوخ رکھنے والی کشمیری قیادت کو جیلوں میں غیر معینہ مدت تک بند رکھ کر خود اپنی موت آپ مرنے پر مجبور کیا۔ مقبول بٹؒ اور افضل گوروؒ کو پھانسیاں دے کر اور ان کے اجسادِ خاکی کو تہاڑ کی گمنام راہوں میں دبا کر بھارت نے تجربہ کر لیا اور اسے اندازہ ہوا اس طرح وہ کشمیری نوجوانوں اور آنے والی نسلوں کے ہیروز کی فہرست میں اضافہ ہی کرتا چلا جا رہا ہے۔ کشمیری سماج ایسے کرداروں کو آئیڈیلائز کرتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ کشمیری نوجوانوں کو مزید ہیروز نہ دیئے جائیں اور ان کے لیڈروں کو جیلوں میں سلو پوائزننگ یا ذہنی اذیتیں پہنچا کر طبعی موت کے انجام سے دوچار کیا جائے۔

> دہلی کی تہاڑ جیل کشمیریوں کے لئے اب وادیٔ مرگ بن چکی ہے جہاں مقبول بٹؒ سے افضل گوروؒ تک یا تو کشمیریوں کو پھانسی کے پھندوں کا خراج ملتا ہے یا سید الطاف شاہؒ کی طرح انہیں لاشوں میں ڈھال کر واپس بھیجا جاتا ہے۔ سید علی گیلانیؒ کے داماد اور تحریک حریت کے فعال راہنما سید الطاف شاہؒ تہاڑ جیل میں قتل ہونے والے تیسرے راہنما ہیں۔ اس جیل سے اگر کوئی کشمیری قیدی زندہ بھی آیا تو اپنے ساتھ کئی جسمانی اور ذہنی عارضوں کی سوغات لئے ہوئے تھا جو زندگی بھر اس کے ساتھ چمٹے رہے

۔الطاف شاہؒ اس پالیسی کا پہلا اور آخری شکار نہیں۔ تہاڑ جیل سمیت بھارت بھر کی جیلوں میں سیکڑوں کشمیری راہنما اور سرگرم سیاسی کارکن بھارت کی اس پالیسی کے نشانے پر ہیں۔ ان اسیروں کو گھروں سے دور رکھ کر ذہنی اذیتیں دینے کے علاوہ ناقص خوراک دے کر جسمانی عوارض کا شکار کیا جا رہا ہے تا کہ

ان کی موت کا الزام بھارت پر نہ آئے اور ایک روز ٹمٹماتا ہوا چراغ خود ہی لو دینا بند کرے اور خاموشی سے بجھ جائے۔ گزشتہ برس یہ تجربہ سید علی گیلانیؒ کے دست راست محمد اشرف صحرائیؒ پر کیا گیا اور آخر کار ان کا جنازہ بھی قید کی حالت میں اُٹھا اور وہ قیدی کی حیثیت سے ہی بہت خاموشی سے تہہ خاک چلے گئے۔ اب تحریک آزادی کے چھیاسٹھ سالہ راہنما سید الطاف شاہ اسی حکمت عملی کا شکار ہوئے۔ وہ پانچ سال سے قید تھے۔ اس دوران انہیں علاج معالجے کی سہولت میسر تھی نہ اہل خانہ سے ملنے کی اجازت تھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک سیاسی قیدی تھے جنہیں بھارت کی نیشنل انوسٹی گیشن ایجنسی نے دہشت گردی کے لئے ممنوعہ فنڈنگ کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ ایک جانے پہچانے سیاسی راہنما کی بجائے ان کے ساتھ پیشہ ور مجرموں کا سلوک روا رکھا گیا اور یوں لگ رہا تھا کہ بھارتی حکام کا سوچا سمجھا فیصلہ تھا کہ الطاف شاہ جیسے متحرک اور کمٹیڈ انسان کو زندہ اب جیل سے نہیں نکلنے دینا۔ سید الطاف شاہؒ کی صاحبزادی روواشاہ کشمیر کی مشہور صحافی ہیں نے اپنے والد کی بیماری کی خبریں سامنے آنے کے بعد سوجتن کئے کہ انہیں والد سے ملاقات کی اجازت دی جائے مگر سفاک اور ظالم طاقتوں نے ان کی اس خواہش اور انسانی حق کو تسلیم نہیں کیا۔ رواشاہ ٹویٹر پر درخواستوں کے ذریعے نریندر مودی اور امیت شاہ سے اپیل کرتی رہیں کہ ان کے والد کی تکلیف کم کرنے کے لئے ہسپتال منتقل کیا جائے اور انہیں والد سے مل کر ان کی وصیت معلوم کرنے کی اجازت دی جائے مگر شنوائی نہ ہوئی۔ وہ صحت کی خرابی کی بنیاد پر والد کی ضمانت پر رہائی کا مطالبہ کرتی رہیں تا کہ وہ ایک آزاد شخص کے طور پر اس دنیا سے رخصت ہوں۔ روواشاہ کا ٹویٹر اکاونٹ چیخ چیخ کر درخواستیں کرتا رہا۔ ایک بیٹی کی بے ساختہ اور فطری تڑپ تھی مگر یہ سب دیواروں سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا۔ جب وہ دہلی ہائی

کورٹ پہنچیں تو جیل حکام نے عدالت میں جو رپورٹ جمع کرائی اس میں الطاف شاہ کی بیماری کو معمولی بنا کر پیش کیا گیا تھا اور اس میں ان کے کینسر کے عارضے کا ذکر نہیں تھا۔اس کے بعد جب عدالت نے انہیں ہسپتال منتقل کرنے کا حکم دیا تو الطاف شاہ وینٹی لیٹر پر جا چکے تھے اور وہ اپنی آخری خواہشات کے اظہار کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے۔رووا شاہ اور ان کا بھائی آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کے باہر اس امید پر بیٹھے رہے کہ بھارتی حکام انہیں والد کے آخری لمحوں میں شرکت کا موقع دیں گے مگر سنگ دل دشمن نے موم ہونا تھا نہ ہوا اور یوں الطاف شاہ نے آخری سانس لی بھارت نے سکھ کا سانس لیا اور رووا شاہ نے ایک گہری اور لمبی سانس کی طرح ٹویٹ کیا کہ ان کے والد قیدی کی حیثیت سے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔انہوں نے استقامت کے اس انداز اور موت پر شکر بھی ادا کیا۔رووا شاہ اپنے والد کے ساتھ یادگار تصویر بھی شیئر کی شاید کوئی دل ایک بیٹی کی چیخ و پکار پر نرم ہو مگر بے سود کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور سیکولرازم کا دعوے دار ملک بھارت تھا یہاں ایسی آوازوں کا مقدر صدا بصحرا ہونا ہی رہا ہے۔جب الطاف شاہ کو ایک قیدی اور ایک انسان کے حقوق سے انکار کر کے موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا تھا عین اسی وقت نریندر مودی ہندومت کے اصول دھرما پر لیکچر دے رہے تھے کہ اس اصول کا مطلب خدمتِ انسانی ہے۔یہ تضادات اور منافقانہ طرزِ عمل بھارت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے اور اب اس ملک کو کسی حملہ آور اور کسی بیرونی دشمن کی ضرورت نہیں۔اسے داخلی تضادات کا سرطان لاحق ہو چکا ہے۔

الطاف شاہ نے آخری سانس لی بھارت نے سکھ کا سانس لیا اور رووا شاہ نے ایک گہری اور لمبی سانس کی طرح ٹویٹ کیا کہ ان کے والد قیدی کی حیثیت سے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔انہوں نے استقامت کے اس انداز اور موت پر شکر بھی ادا کیا۔رووا شاہ اپنے والد کے ساتھ یادگار تصویر بھی شیئر کی شاید کوئی دل ایک بیٹی کی چیخ و پکار پر نرم ہو مگر بے سود کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور سیکولرازم کا دعوے دار ملک بھارت تھا یہاں ایسی آوازوں کا مقدر صدا بصحرا ہونا ہی رہا ہے

دلّی کی تہاڑ جیل میں کشمیری رہنما الطاف شاہ کی دوران حراست موت، آخری وقت تک بیٹی رعایت کی فریاد کرتی رہی۔

☆☆☆

جناب سید عارف بہار آزاد کشمیر کے معروف صحافی دانشور اور مصنف ہیں۔کئی پاکستانی اخبارات اور عالمی شہرت یافتہ جرائد میں لکھتے ہیں۔تحریک آزادی کشمیر کی ترجمانی کا الحمد للہ پورا حق ادا کر رہے ہیں۔کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

6 نومبر، جب چناب اور توی خون سے بھر گئے

غلام اللہ کیانی

مقبوضہ جموں و کشمیر کو 5 اگست 2019 کو دو کالونیاں بنا کرانہیں بھارت میں ضم کرنے کے بعد قابض بھارتی استعمار کی سنگین جبری پابندیوں، لاک ڈاؤن اور بدترین مظالم کے دوران آج چناب، پیر پنچال اور جموں خطوں کے ان لاکھوں شہدائے کرام کو خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے جنھیں 1947 میں جن سنگھی شر پسندوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کی ہدایت پر قتل عام کے دوران تہہ تیغ کیا گیا، جب چناب اور توی دریا مسلمانوں کے خون سے بھر گئے۔ آج مقبوضہ ریاست اور بھارت کی بدنام زمانہ جیلوں میں آزادی پسندوں کے ماورائے عدالت قتل اور گرفتاریوں، قید و بند، کیمیائی گولہ بارود سے گھروں کو اڑانے ، بدترین ریاستی دہشت گردی کے دوران قربانیوں کی نئی تاریخ رقم ہو رہی ہے۔ کشمیری بلا شبہ دنیا کی ایک نڈر، بہادر اور باوقار قوم کے طور پر منظر عام پر آئے ہیں۔ جو بھارت کی طاقت کے سامنے سرینڈر کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔ قربانیوں کا تسلسل ہے۔ ایسے میں شہدائے جموں کی یاد نومبر کی آمد کے ساتھ ہی تڑپا کر رکھ رہی ہے۔ زخم تازہ ہو رہے ہیں۔ کئی حریت پسند شخصیات ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ ان کی آنکھوں میں خون کے آنسو بہتے دیکھے ہیں۔ آزاد کشمیر لبریشن سیل کے سابق سیکریٹری عبدالرشید ملک مرحوم کے سامنے ان کی اہلیہ اور دیگر عزیز و اقارب کو شہید کیا گیا۔ راولپنڈی پریس کلب کے سابق سیکرٹری اور صحافی قیوم قریشی مرحوم کے خاندان کے کئی افراد اور لبریشن فرنٹ کے سابق چیئر مین ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے بھائی بھی شہدائے جموں میں شامل ہیں۔ چند افراد آج بھی زندہ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے پیاروں کو کرپانوں اور برچھیوں سے ذبح کیا گیا۔ بچیوں کو اغوا کیا گیا۔ بچوں کو نیزوں اور ترشول پر اچھالا گیا۔

92 سالہ بزرگ صحافی اور دانشور قیوم قریشی مرحوم نے چشم دید واقعہ یوں بیان کیا، ”اس زخم کی کہانی کا آغاز جمعرات 6 نومبر 1947ء کو صبح تقریباً دس بجے جموں شہر کے چار ہزار سے زیادہ مسلمانوں سے بھرے ہوئی بسوں اور ٹرکوں کی پولیس لائنز جموں سے روانگی کے ساتھ ہوا ان لوگوں کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ انہیں ٹرکوں اور بسوں کے ذریعے سوچیت گڑھ پہنچا دیا جائے گا، جو سیالکوٹ اور جموں کے درمیان

سرحدی قصبہ ہے۔ یہ اس طرح کا دوسرا قافلہ تھا جو جموں سے روانہ ہوا تھا اس سے ایک دن پہلے یعنی بدھ 5 نومبر 1947ء کو بھی سیالکوٹ پہنچانے کے جھانسے کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا، اس قافلے کا کیا حشر ہوا تھا وہ ایک الگ داستان ہے۔ پہلے قافلے میں تو میں شامل نہیں ہو سکا تھا لیکن دوسرے دن میں نے کسی نہ کسی طرح ایک بس کی چھت پر جگہ حاصل کر لی اور پھر وہ پورا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جو قافلے کے مسافروں کے قتل عام کی صورت میں ڈوگرہ اور بھارتی فوجیوں، انتہا پسند ہندوؤں اور سکھوں نے رچایا اور جموں میں بشناہ جانے والی سڑک پر نہر کے کنارے صبح گیارہ بجے سے تین بجے سہ پہر تک جاری رکھا تھا۔“

5 اگست 2019 کے بھارتی غاصبانہ اقدامات کے بعد ”کشمیر فارسیل“ ہے۔ پاکستان کرکٹ ٹیم کے ٹی 20 میں بھارت کو شکست کا جشن منانے والے مسلمانوں کی زندہ کھالیں اتارنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ 50 لاکھ سے زیادہ بھارتی شہریوں کو مقبوضہ ریاست کا ڈومیسائل اجراء کر دیا گیا۔ مقبوضہ وادی سے فرار ہندو پنڈت اپنی جائیدادیں فروخت کر چکے تھے، انہیں دوبارہ وادی لا کر فروخت شدہ رقبہ جات، مکانات مسلمانوں سے چھین کر دیئے جارہے ہیں۔ انہیں بھارتی فورسز قتل کر کے الزام مجاہدین اور پاکستان پر ڈال رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نوکریوں سے برطرف کر کے ان پر بغاوت کے مقدمات قائم کئے جارہے ہیں۔ بھارتی فوج کو سرکاری اور غیر سرکاری اراضی جس میں زرعی رقبہ جات، باغات بھی شامل ہیں، پر قبضے کے اختیارات دیئے جا چکے ہیں۔ زعفران کے لئے شہرت یافتہ پانپور، پلوامہ پر بھارتی پٹرولیم کمپنیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ کشمیر آج بھارتی جارحیت ، خطے کی جابرانہ تقسیم، ریاست کو ڈی گریڈ کرنے، پابندیوں، مواصلاتی کریک ڈاؤن کے دوران مزاحمت کے ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ نئے جارحانہ کالے قوانین نافذ العمل ہو چکے ہیں۔ ریاستی دہشتگردی اور رہائشی گھروں کو بارود سے اڑانے کے واقعات اور کیمیکل زہریلے اسلحہ کے استعمال کے باوجود عوام گلی کوچوں، سڑکوں اور چوراہوں میں بھارتی فورسز کے ساتھ بر سر پیکار ہیں۔ نومبر کے مہینہ کو کشمیر کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ 1947 کو اسی مہینے میں جموں ڈویژن کے لاکھوں مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی اور اس مسلم

شہدائے جموں کی یادنومبر کی آمد کے ساتھ ہی تڑپا کر رکھ رہی ہے۔زخم تازہ ہو رہے ہیں۔کئی حریت پسند شخصیات ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ان کی آنکھوں میں خون کے آنسو بہتے دیکھے ہیں۔آزاد کشمیر لبریشن سیل کے سابق سیکریٹری عبدالرشید ملک مرحوم کے سامنے ان کی اہلیہ اور دیگر عزیز واقارب کو شہید کیا گیا۔راولپنڈی پریس کلب کے سابق سیکرٹری اور صحافی قیوم قریشی مرحوم کے خاندان کے کئی افراداور لبریشن فرنٹ کے سابق چیئر مین ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے بھائی بھی شہدائے جموں میں شامل ہیں

اکثریتی جموں خطے کے مسلمانوں کو اقلیت میں بدل ڈالا گیا۔چشم فلک نے پھرایسا وقت بھی دیکھا جب جموں کے غیر مسلموں نے شدید مظالم سے دوچار وادی کے عوام کی ناکہ بندی کی اور وادی میں روتے بچوں کو دودھ اور تڑپتے مریضوں کو ادویات سے محروم کر دیا۔گزشتہ 75 سال سے کشمیریوں کی نسل کشی جاری ہے۔جس خطے کی فضائیں اللہ اکبر کی صداؤں سے معطر ہوتی تھیں وہ آج مندروں کا شہر کہلاتا ہے،بھجن اور گھنٹیوں کی چیخ وپکار پر زمین بھی رو رہی ہے۔قیام پاکستان کی بڑی سزا کشمیر بالخصوص جموں کے مسلمانوں کو ملی۔چند دنوں میں 3 لاکھ انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔سٹیٹس مین اخبار کے ایڈیٹر آئن سٹیفن کی کتاب ’’ہارنڈ مون‘‘Horned Moon،کشمیر ٹائمز کے مدراسی ایڈیٹر جی کے ریڈی اور لنڈن ٹائمز نے تصدیق کی کہ اکتوبر اور نومبر 1947ء کو جموں اور اس کے نواح میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔مغربی مصنف آلسٹر لیمب نے اپنی کتاب’’ان کمپلیٹ پارٹیشن‘‘Incomplete Partition میں لکھا کہ ہندو شر پسندوں کی لوٹ مار کے دوران بستیوں، بازاروں اور 350 مساجد کو آگ لگا دی گئی۔جموں ضلع میں 1941ء میں مسلمان کل آبادی کا 60 فیصد تھے اور 1961ء میں وہ صرف 10 فیصد رہ گئے۔

6 نومبر 1947ء کو ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ، مہارانی تارا دیوی، ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل اور سابق وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کی آشیر واد اور وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کی ہدایت پر مسلمانوں کو گاڑیوں میں سیالکوٹ پہنچانے کے بہانے شہید کیا گیا۔تقسیم کے اصولوں کے منافی باؤنڈری کمیشن کے ریڈ کلف کی بددیانتی سے ہندوستان کو کشمیر تک زمینی راستہ دینے کے لئے پنجاب کے مسلم اکثریتی علاقہ گورداسپور کو پاکستان کا حصہ نہ بننے دیا گیا۔اوراسے بھارت کو دے کر کشمیر تک راہداری دی گئی۔مسلمانوں کی نسل کشی کا منصوبہ 4/نومبر 1947ء کو ہندوستانی وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل، وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ اور مہاراجہ پٹیالہ سردار دیوندر سنگھ نے جموں میں مہاراجہ کی مشاورت سے تیار کیا تھا۔راوی کہتا ہے کہ مسلمانوں کے قتل عام سے چناب کا سب سے بڑا معاون دریا ’’توی‘‘ خون سے بھر گیا۔جموں کے گلی کوچوں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔جموں ڈویژن سے نسلی صفائی میں جن سنگھیوں کو استعمال کیا گیا۔اس سے قبل ڈوگرہ فورسز نے پوری ریاست کے مسلمانوں کا قافیۂ حیات تنگ کرر کھا تھا۔قبائل کشمیر میں داخل ہوئے تو ڈوگرہ راجہ 25/اکتوبر 1947ء کو مقبوضہ وادی سے فرار ہو گیا۔سرینگر سے جموں پہنچ کر رانی تارا دیوی نے سر کے بال بکھیر دیئے۔چیخ وپکار کی کہ مسلمان غلاموں نے کشمیر ہم سے چھین لیا۔ہندوؤں کو مسلمانوں پر حملے کرنے کی ترغیب دی اور اسلحہ تقسیم کیا۔منادی کرادی کہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ہر ہندو آزاد ہے۔تارا دیوی نے ڈوگرہ سرداروں کا اجلاس طلب کیا جس میں فیصلہ کیا کہ تمام مسلمان افسروں کو نوکریوں سے برطرف کر دیا جائے اور کوئی مسلمان افسر کسی ذمہ دار عہدے پر فائز نہ رہے۔کہا جاتا ہے کہ 30/اکتوبر 1947ء تک پورے جموں میں ایک بھی مسلمان افسر کسی اہم اور ذمہ دار عہدے پر فائز نہ تھا۔مہاراجہ پٹیالہ نے شر پسندوں کی کمک جموں داخل کی۔قتل عام اور لوٹ مار کے بعد ہی مسلمانوں نے جموں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔مسلمانوں کو فوجیوں کی حفاظت میں لاریوں میں پاکستانی سرحد پر آر ایس پورہ، ارنیہ، ڈگیانہ علاقوں میں اندھا دھند گولیاں مار کر شہید کیا گیا۔عورتوں کو علیحدہ کر کے ان کے برہنہ جلوس نکالے گئے۔انہیں اغواء کیا گیا۔جن کا آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا۔سیکڑوں عصمتیں بچانے کے لئے دریا میں کود گئیں۔جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان ہجرت کے موقعہ پر درندگی کا نشانہ بنایا گیا اسی طرح جموں کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔مسلمانوں کے قتل عام میں پنجاب کے راجواڑوں، پٹیالہ، کپورتھلہ، فرید کوٹ اور نواحی علاقوں کے مہاراجوں نے بھی حصہ لیا۔یہ عیدالاضحیٰ کا موقع تھا جب ہندو دہشت گردوں نے ایک نعرہ کے تحت مسلمانوں کی نسل کشی کی وہ کہہ رہے تھے کہ عید کو مسلے قربانی کرتے تھے اب آج کی عید پر ہم ان کی قربانی کریں گے۔مسلمانوں کے قتل عام سے قبل پورے جموں میں کرفیو لگایا گیا۔سیوک سنگھ، مہاسبھا اور اکالی دل کے جتھوں نے ایک دوسرے سے سبقت لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔چاروں اطراف سے جے ماتا جی اور ست سری اکال کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔مسلمانوں کے علاقوں میں انتظامیہ نے اعلان کیا کہ پاکستان نے مسلمانوں کیلئے گاڑیاں بھیجی ہیں، اس لئے لوگ سیالکوٹ جانے کیلئے پولیس لائنز میں جمع ہو جائیں۔اس وقت پولیس لائنز جموں توی میں تھا، جہاں بسوں پر پاکستانی جھنڈے لگا دیئے گئے تھے۔

جموں شہر کی آبادی 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ 70 ہزار تھی جو 20 سال بعد 1961ء میں کم ہو کر صرف 50 ہزار رہ گئی۔مسلمانوں کی نسل کشی میں دہشت گرد تنظیموں آر ایس ایس، ہندو مہا سبھا اور دیگر فرقہ پرست جماعتیں پیش پیش رہیں۔یہ وہی فرقہ پرست تھے جنہوں نے مارچ 1947ء میں لدھیانہ، جالندھر، امرتسر، کپورتھلہ، پٹیالہ، فرید کوٹ، پانی پت، کرنال، گوڑگاؤں وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کئے اور یہی لوگ تھے جنہوں نے ریاست

جموں وکشمیر میں داخل ہوکر مقامی دہشت گردوں کے ساتھ مل کر کٹھوعہ، سانبہ، ادھمپور، بھمبر، نوشہرہ، ہیرانگر، رام گڑھ، آر ایس پورہ، ارنیہ، سچیت گڑھ، جموں، بٹوت حتیٰ کہ مظفرآباد میں بھی ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ مہاراجہ نے ان دہشت گردوں کی خوب آؤ بھگت کی۔ اس نے وزیراعظم پنڈت رام چند کاک کو برطرف کرکے مہارانی تارا دیوی کے قریبی رشتہ دار ٹھاکر جنک سنگھ کو وزیراعظم مقرر کیا۔ مہاراجہ نے اپریل 47ء کو راولاکوٹ کے دورہ کے موقع پر جب جنگ عظیم دوم کے ہزاروں مسلمان فوجیوں کا نظارہ کیا تو واپسی پر فوری طور پر غیر مسلم راجپوت اور ڈوگرہ فوج کے یونٹ قائم کئے۔ راجہ نے اپنے سسُرالی علاقہ کانگڑہ (رانی تارا دیوی کا علاقہ) اور اس کے قرب وجوار کلو، چمبہ، گڑھوال وغیرہ سے بھی ہندو فوجی بھرتی کئے۔ ان فوجیوں کو سرینگر اور جموں میں تعینات کیا گیا۔ مہارانی تارا دیوی نے باؤنڈری کمیشن کے ممبر مہر چند مہاجن جیسے مسلم دشمن غیر ریاستی شخص کو کشمیر کا وزیراعظم بنایا۔ مہاجن کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگریس ہائی کمان تک رسائی حاصل تھی۔ مہاجن نے اپنی کتاب ''Looking Back'' میں تحریر کیا ہے کہ مہارانی نے ان کے ساتھ لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں مشاورت کی۔ وہ اپنے علیل بیٹے کرن سنگھ کے علاج کے لئے لاہور آئی ہوئی تھی جو ایک بہانہ تھا۔ بعدازاں مہر چند مہاجن کو چیف جسٹس آف انڈیا بنایا گیا۔

6 نومبر کو دنیا بھر میں کشمیری یوم شہدائے جموں اسی وجہ سے مناتے ہیں تاکہ جموں خطے کے مسلمانوں کی اسلام، پاکستان اور تحریک آزادی کے لئے جانوں، مالوں اور عزتوں کی قربانیاں یاد رکھی جائیں اور شہداء کے خون کے ساتھ کسی کو سودا بازی نہ کرنے دی جائے۔ 75 سال گزرنے کے باوجود جموں کے ہندو دہشت گردوں کی ذہنیت نہیں بدلی ہے۔ وہ مسلمانوں کی زندہ کھالیں اتارنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کشمیر کے پہاڑوں میں ہندو امرناتھ شرائن بورڈ کے خلاف تحریک کے ردعمل میں جموں کے انتہا پسند ہندوؤں کی طرف سے وادی کشمیر کی اقتصادی ناکہ بندی کی گئی۔ آج بھی لاک ڈاؤن اور کرفیو، پابندیوں کے دوران بھارتی فورسز کشمیریوں کو

> چند دنوں میں 3 لاکھ انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ سٹیٹس مین اخبار کے ایڈیٹر آئن سٹیفن کی کتاب ''ہارنڈ مون'Horned Moon'، کشمیر ٹائمز کے مدراسی ایڈیٹر جی کے ریڈی اور لنڈن ٹائمز نے تصدیق کی کہ اکتوبر اور نومبر 1947ء کو جموں اور اس کے نواح میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ مغربی مصنف آلسٹر لیمب نے اپنی کتاب ''ان کمپلیٹ پارٹیشن'Incomplete Partition' میں لکھا کہ ہندو شرپسندوں کی لوٹ مار کے دوران بستیوں، بازاروں اور 350 مساجد کو آگ لگا دی گئی۔

اقتصادی طور پر بدحال کرنے کے لئے کھیت اور کھلیان جلا رہے ہیں۔ میوہ باغات کو تباہ کیا گیا ہے۔ گزشتہ برس تقریباً ایک کھرب روپے سے زیادہ کے میوہ جات درختوں پر سڑ گئے۔ وادی کے مسلمانوں نے ہندوؤں کا ہمیشہ احترام کیا۔ مسلمانوں کی نسل کشی کے واقعات کے باوجود وادی میں ہندوؤں کے خلاف کوئی ایک بھی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ کشمیری مسلمان صرف اپنے حقوق کے لئے برسرپیکار رہے جبکہ ہندو انتہا پسند جب بھی موقع ملے مسلمانوں کو تکالیف پہنچانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مقبوضہ وادی میں غیر مسلم افراد کے قتل کر کے الزام مسلمانوں پر عائد کیا گیا۔ آج بھی ویلیج ڈیفنس کمیٹیوں میں شامل ہندو انتہا پسند چن چن کر مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ پنچ اور سرپنچ مقامی مسائل کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے بھارتی فورسز کے آلہ کار ہیں۔ بھارتی فوج اس سلسلے میں تاریخ کا بدترین کردار ادا کر رہی ہے۔ وہ کرگل جنگ کے دوران ہلاک ہونے والے بھارتی فوجیوں کے لئے تابوتوں کی خریداری کے سودے میں بھی کرپشن کرنے سے گریز نہیں کرتی جبکہ بوفورس توپوں کے سودوں میں اربوں کے سکینڈل فوج کے لئے بدنامی کا باعث بن چکے ہیں۔ یہی فوج کشمیر میں فرضی جھڑپوں میں شہریوں کو شہید کر کے ترقیاں اور تمغے پاتی ہے۔ بارودی سرنگیں نصب کرکے ان کی برآمدگی کے نام پر ترقیاں اور میڈلز وصول کرنے کے سکینڈلز بھی منظر عام پر آ رہے ہیں۔ کئی علاقوں میں بھی میزائل اور مارٹر گولے داغنے کے بعد بارودی دھماکوں سے مکانوں کو زمین بوس کیا گیا۔ بھارتی فوج کی نصب بارودی سرنگیں پھٹنے سے معصوم کشمیری شہید اور زخمی ہو رہے ہیں۔

1947ء کو مسلمانوں کی نسل کشی اور انخلاء کے باوجود ضلع ڈوڈہ، کشتواڑ، پونچھ اور راجوری میں 80 فیصد مسلم آبادی ہے جبکہ ریاسی، ادھمپور، کٹھوعہ اور جموں اضلاع میں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ بھارت نے کشمیر کو تقسیم کیا۔ اس کا خصوصی درجہ ختم کیا۔ سرمایہ کاری اور دیگر حیلے بہانوں سے اب مقبوضہ ریاست میں بھارتی مکمل عمل داری اور زمین جائیدادوں پر بھارتی شہریوں کے قبضے ہو رہے ہیں۔ بھارتی یونین علاقے قرار دینے سے پہلے مقبوضہ ریاست پر دہلی سے بھیجا ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ اب ایک گورنر کی جگہ دو لیفٹننٹ گورنر حکومت کرتے ہیں۔ پہلے مقبوضہ کشمیر کا اپنا پرچم تھا۔ اب اسے سرکاری عمارتوں سے اتار کر وہاں پر بھارتی پرچم لہرا دیئے گئے ہیں۔ پہلے کوئی بھی بھارتی آئین مقبوضہ کشمیر کی قانون ساز اسمبلی کی منظوری کے بغیر نافذ نہ ہوتا تھا، اب بھارتی قوانین براہ راست لاگو ہو رہے ہیں۔ ان کالے قوانین کے تحت مسلمانوں کو اہم محکموں سے نہ صرف ہٹایا جا رہا ہے بلکہ انہیں نوکریوں سے بھی برطرف کیا جا رہا ہے۔ بھارت کی یہ سب انتقامی مہم ہے۔ 1947 کی طرح مسلمانوں کی ایک بار پھر نسل کشی کے لئے ماحول سازگار بنایا جا رہا ہے۔ جموں وکشمیر کو ایک الگ بھارتی علاقہ اور لداخ کو بھی دہلی کا زیر انتظام علاقہ بنا کر بھارت میں عملی طور پر ضم کر دیا گیا ہے۔ جموں خطے سے ہجرت کرنے والے پاکستان میں کراچی سے کوہالہ تک لاکھوں کی

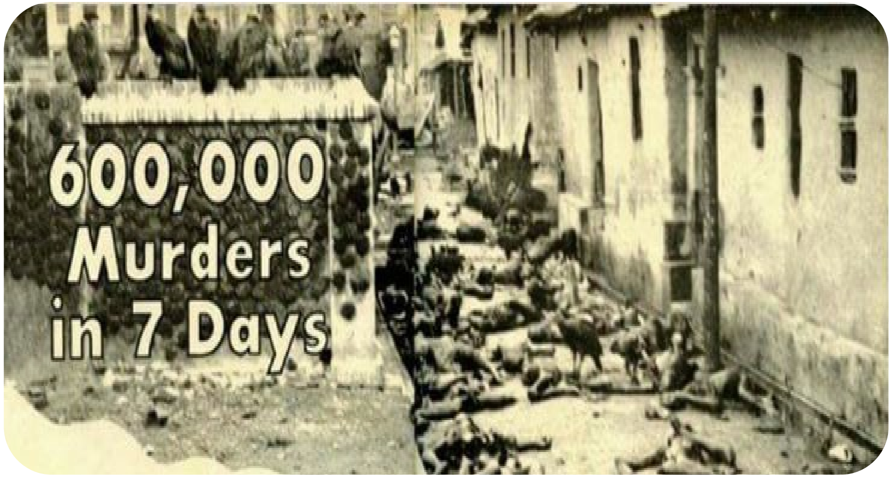

تعداد میں آباد ہیں۔انہیں دوہری شہریت حاصل ہے۔آزاد کشمیر اسمبلی میں مہاجرین جموں وکشمیر مقیم پاکستان کے لئے12 نشستیں مختص ہیں۔جن پر وہ منتخب ہو کر آزاد کشمیر اسمبلی کے رکن بنتے ہیں۔انہیں وزیر مشیر بنایا جاتا ہے۔مگر آزاد کشمیر حکومت اپنے پہلے اعلامیہ سے ہی نابلد ہو چکی ہے۔ وہ اپنے مشن اور نصب العین سے بے خبر ہے۔جس حکومت کا بنیادی کام مقبوضہ کشمیر میں رائے شماری کے لئے کام کرنا تھا،آزاد کشمیر کو تحریک آزادی کا بیس کیمپ بنانا تھا، وہ اس سے خود کو بری الزمہ سمجھتی ہے۔کام بہت ہو رہا ہے،مگر یہ نعروں،تقاریر، بلند و بانگ دعوؤں تک محدود ہے۔ یہ ایک روایت بن چکی ہے۔کسی کے پاس کوئی ایجنڈا نہ ہو تو کشمیر پر بیان جاری ہوتا ہے یا رٹی ہوئی تقریر جھاڑ دی جاتی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ عملی طور پر کچھ نہیں ہو رہا ہے۔نئی نسل اپنے آباء واجداد کی قربانیوں سے بے خبر اور لاتعلق کیسے رہ سکتی ہے۔وہ اپنی روایات اور ثقافت کو کیسے دم توڑتا ہوا دیکھ سکتی ہے۔ایک دوسرے سے تعلق اور تعاون کے فروغ کا تصور رفتہ رفتہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

آزاد کشمیر میں جنگ بندی لائن پر آباد لوگوں کے عوام کا بھی سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ ان کے عزیز و اقارب، زمین جائیداد جنگ بندی کی دوسری طرف بھارت کے قبضہ میں ہے۔ان پر بھارت جب چاہے گولہ باری کرتا ہے۔ان کی جان و مال کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔انہیں موبائل ایمبولنسز کی ضرورت ہوتی ہے۔انہیں فوری ریسکیو چاہیے، ان کے بچوں کی تعلیم کا کوئی بندوبست ہو، سیز فائر لائن کے عوام پسماندہ ہیں۔ وہ شہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے انہیں خصوصی پیکج کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد بنانا یا اسے کنٹرول لائن قرار دینا تقسیم کشمیر کی بھارتی سوچ گمراہ کن ہے ۔شہدائے جموں کے مشن کا تقاضا ہے کہ کشمیری جسد واحد بن کر لسانی، علاقائی اور برادری ازم یا ادھر ہم ادھر تم جیسے فتنوں سے بچتے ہوئے شہداء کے مشن کو پورا کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔شہداء کا انتقام لینا ہم پر لازم ہے۔ آزاد کشمیر کی حکومت اب بھی عبوری حکومت ہے۔اس کا آئین عبوری ہے۔ یہاں کے صدر، وزیر اعظم، سیاستدانوں، بیوروکریسی پوری ریاست جموں وکشمیر کو اپنا حلقہ سمجھنا چاہیے۔سیاستدان جنگ بندی لائن پار کرنے کی کاغذی دھمکیاں دیتے رہے ہیں۔سیاسی پوائنٹ سکورنگ کے بجائے عملی طور پر بیس کیمپ کا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے کہ سب ایک ہو کر جدوجہد کریں۔اسلام آباد میں دنیا کے سفارتی مشنز کو صورتحال سے مسلسل آگاہ کیا جائے۔دنیا میں پاکستان کے مشنز کردار ادا کریں۔ بھارت کی نام نہاد سرجیکل سٹرائیکس اور آزاد کشمیر پر جارحیت کی بڑھکوں اور دعوؤں کے تناظر میں آزاد کشمیر کی آبادی کو جنگی تربیت اور مسلح کرنے یا دیہی دفاع کمیٹیاں تشکیل دینے کی طرف توجہ دیں۔جنگ بندی لائن پر آباد عوام کے لئے مورچے تعمیر کئے جائیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ جموں قتل عام کی طرح مزید قتل عام کے خدشات سے کم از کم مسلم ممالک کے سفیروں کو بریفنگ دی جائے۔ جو مسلم ممالک مودی کو تمغے دیتے ہیں اور بھارتی حکمرانوں کے ریڈ کارپٹ استقبال کرتے ہیں، اسلام آباد میں مسلم ممالک کے سفیر، دنیا میں پاکستان کے سفارتکار کیا خدمات انجام دیتے ہیں۔مسلم حکمرانوں کو یاد دلایا جائے کہ وہ اپنی سرزمین پر مندر تعمیر کر رہے ہیں مگر بھارت میں ایسے علاقے بھی ہیں جہاں کی مساجد عبادت کے لئے بند کر دی گئی ہیں۔ان پر تالے لگائے گئے ہیں۔آج ہم جموں کے شہداء کو یاد کر رہے ہیں۔ جلسے جلوس نکالتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں، بیانات جاری کرتے ہیں، کیا اس سب سے بھارت کشمیر سے نکل جائے گا۔اگر ایسا نہیں ہے تو کشمیر کی آزادی کے لئے عملی اقدامات کی طرف توجہ دی جائے۔شہداء کا انتقام لینا اور ان کے مشن پر چلنا مسلمانوں کا نصب العین ہے۔اللہ تعالی شہداء کی شہادت قبول فرمائے۔

غلام اللہ کیانی معروف کشمیری صحافی، دانشور اور کالم نگار ہیں۔کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

الطاف فنتوش ۔۔ میرا دوست، میرا بھائی

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شیخ محمد امین

1979ء موسم گرما، سری نگر گول باغ میں اسلامی جمعیت الطلبہ کا پہلا سالانہ اجتماع ہوا۔ میں بارھویں جماعت کا طالب علم تھا لیکن الحمد للہ جمعیت کی رکنیت حاصل کرنے والے بنیادی اور بانی ساتھیوں میں شامل تھا۔ اشرف صحرائی صاحبؒ اس وقت ہمارے ناظم اعلیٰ تھے۔ یہ اجتماع میرے لئے آج بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اکثر میں اس کا ذکر اپنے دوستوں سے کرتا رہتا ہوں، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس اجتماع میں مجھے شاعر اسلام اور شاعر انقلاب جناب حفیظ میرٹھیؒ کو بالکل آمنے سامنے دیکھنے کا موقع ملا۔ نہ صرف اتنا بلکہ ان کا کافی سارا کلام ان کی زبان سے سننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ مجھے اس مجلس کے دوران ڈاکٹر غلام قادر وانی شہیدؒ، جن کے میں بالکل قریب بیٹھا تھا، کا اچھل اچھل کر حفیظ صاحبؒ کی شاعری کی داد دینے کا جذباتی منظر بھی جیسے سامنے نظر آرہا ہے۔ جناب صفی صاحب نے حفیظ میرٹھیؒ کی صدارت میں ہوئے اس مشاعرے میں "قدم نہ ڈگمگانا کے عنوان سے نظم پڑھی۔ وادی کے معروف شعراء جن میں شاعر اسلام مشتاق کاشمیریؒ، شاعر حریت شہید علی محمد شہبازؒ شامل ہیں نے بھی شرکت کی۔ اس کے علاوہ جناب اشرف صحرائیؒ کا افتتاحی خطاب، امام سعد الدینؒ کا درس قرآن، جناب مولانا امین شوپیانیؒ کا درس سیرت، جناب مولالانا احرار صاحبؒ کا درس حدیث اور امام سید علی گیلانیؒ کا خطاب عام، ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار طلباء کیلئے جو وادی کے مختلف علاقوں سے آئے تھے اور اس اجتماع میں شریک تھے کیلئے آب حیات سے کم نہ تھا۔

اس کامیاب طلبہ اجتماع کے بعد پوری ریاست کے کالجز اور یونیورسٹیز میں اسلامی جمعیت الطلبہ ۔۔۔ طلبہ اور اساتذہ کی توجہ کا مرکز بنی۔ جناب اشرف صحرائیؒ جماعت کے قائدین میں شمار کئے جاتے تھے، ان کا ناظم اعلیٰ بننا تو معمول کی بات تھی لیکن

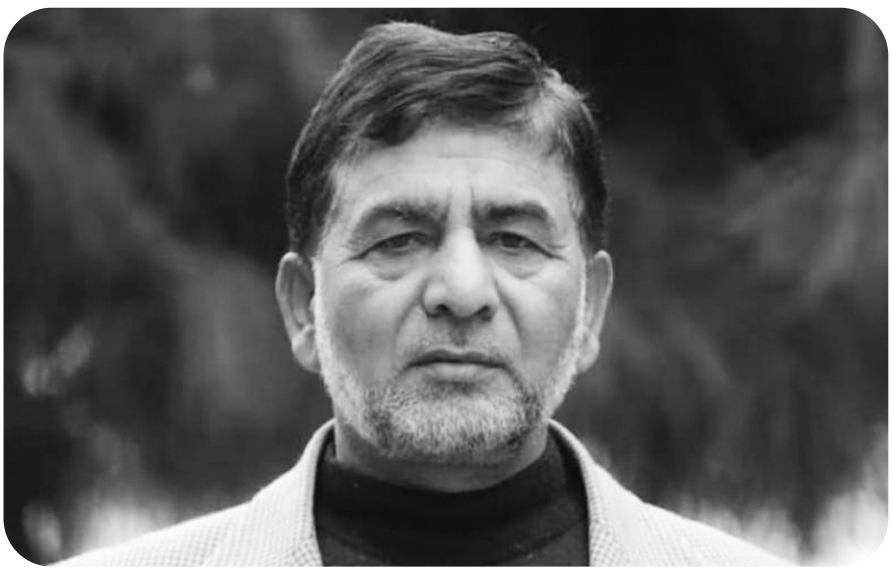

سید الطاف شاہ المعروف الطاف فنتوش کا اسی تنظیم کا سیکرٹری جنرل بننا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ ان کی عمر اس وقت صرف بیس یا اکیس سال کی تھی۔

الطاف فنتوشؒ نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کر کے صرف چند مہینوں میں اس تنظیم کے سینکڑوں یونٹس پوری وادی کے تعلیمی اداروں میں قائم کئے اور ثابت کیا کہ اگر صحرائی صاحبؒ نے انہیں اس عہدے کیلئے نامزد کیا تھا تو وہ صحیح فیصلہ تھا۔ اس دوران اسلامی جمعیت الطلبہ کا دستور مرتب کیا گیا۔ 1979ء میں جب جناب شیخ تجمل الاسلامؒ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے تو الطاف فنتوشؒ اور عبد المجید خان ان کے خصوصی معاونین بنے۔ الطاف فنتوش بہت ہی محرک اور فعال رہنما کی حیثیت سے ابھرے۔ وہ میرے ناظم اعلیٰ شیخ تجمل الاسلامؒ کے معتمد ترین ساتھی تھے۔ شیخ صاحبؒ ان کی رائے کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ڈاکٹر غلام قادر وانیؒ، ڈاکٹر محمد ایوب ٹھاکرؒ الطاف فنتوش، ڈاکٹر عبد المجید خان، ڈاکٹر حمید فیاض، ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی، ڈاکٹر سید یونس گیلانی، احمد اللہ پرے، عبد الوحید کرمانی، ڈاکٹر عبد الحمید زرگر اور غلام رسول لون بیدار جمعیت کی شوریٰ کے ممبر تھے۔ الحمد للہ اس شوریٰ کا ممبر ہونے کا مجھے بھی اعزاز حاصل ہے۔ الطاف فنتوشؒ کو سمجھنے کا اس دوران مجھے بھرپور موقع ملا۔ وہ جو بھی آراء ان مجالس میں دیتے تھے۔ اکثر و بیشتر انہی آراء کی روشنی فیصلے لئے جاتے تھے۔

بہرحال بدقسمتی یہ تھی کہ ان کا صائب الرائے ہونا بھی ان کیلئے ہمیشہ مسئلہ بنتا رہا۔ شوریٰ کے کئی ساتھی سمجھتے تھے کہ ناظم اعلیٰ کو اس نے اپنا اتنا گرویدہ بنالیا ہے کہ وہ انہی کی رائے پر فیصلے کرتے ہیں۔ اسی دوران 1980ء میں جمعیت نے ایک عالمی اسلامی کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس کیلئے جو موضوع چن لیا گیا اس کا عنوان تھا" کشمیر میں اسلامی انقلاب کی راہیں"۔ حکومت نے پہلے اجازت دی۔ دعوت نامے عالمی اسلامی شخصیات کو پہنچے۔ ان میں سے کئی شخصیات نے شرکت کرنے کی حامی بھی بھرلی۔ تیاریاں عروج پر پہنچیں، لیکن شومئی قسمت سرکاری اداروں کو اندازہ ہوا کہ اس کانفرنس میں لاکھوں طلباء اور اساتذہ شریک ہونگے۔ اس کانفرنس کی کامیابی سے اسلام پسندوں کے حوصلے بلند ہونگے اور جس کا فائدہ بہرحال آزادی پسند تنظیمیں اور افراد حاصل کریں گے۔ شیخ عبد اللہ جو

اس وقت بدنام زمانہ اندرا عبداللہ ایکارڈ کرتے ہوئے ،رائے شماری کے نعرے کوترک کرکے وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے ،نے اس کانفرنس پر پابندی کا فرمان جاری کیا۔اس کے

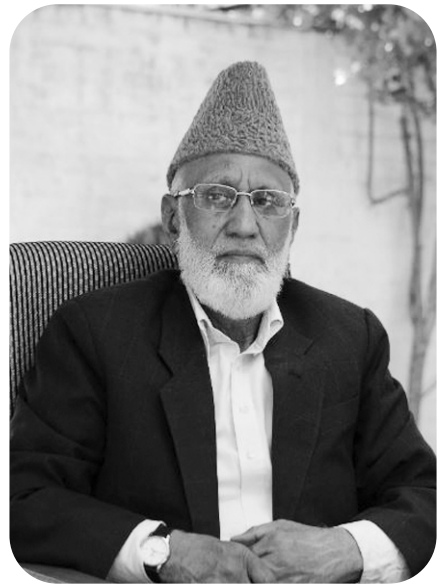

بعد گرفتاریوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔جناب

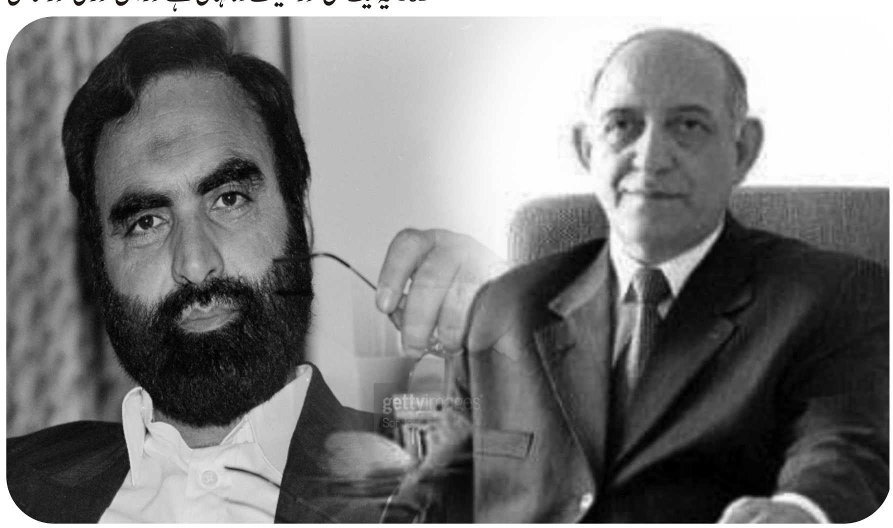

الطاف فنتوش کو بھی گرفتار کیا گیا اور تقریباً سات مہینے بعد رہا ہوئے۔اس کے بعد ان کی زندگی کے آخری سانس تک ان کی گرفتاریوں کا سلسلہ چلتا رہا۔چونکہ اسلامی جمعیت الطلبہ عملاً جماعت اسلامی جموں وکشمیر کے ایک شعبے کی حیثیت سے قائم ہوئی تھی۔جماعت کے اندر جمعیت کی کارکردگی پر بعض لوگوں نے سوالات اٹھائے اور امیر جماعت اسلامی مولانا سعدالدینؒ

کو مشورہ دیا کہ شیخ تجمل الاسلام کو جمعیت سے فارغ کیا جائے اور باقاعدہ اعلانیہ طور پر جمعیت کو جماعت کا شعبہ قرار دیا جائے۔امیر جماعت نے قاری سیف الدینؒ کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی اور ادھر جمعیت کی طرف سے بھی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی قیادت نذیراللہ تبسم صاحب کو سونپی گئی۔مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔جن کا بہرحال کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔یہ ایک لمبی اور تکلیف دہ کہانی ہے اور میں اور کئی اور ساتھی جو ابھی بقید حیات ہیں ،اس کے چشم دید گواہ ہیں،زندگی نے مہلت دی تو اس کہانی کو تحریر کا روپ دینے کی کوشش کروں گا۔بہرحال جمعیت کی شوریٰ کی اکثریت نے فیصلہ کیا کہ شیخ تجمل الاسلام ہی ناظم اعلیٰ رہیں گے اور جمعیت اپنا تشخص برقرار رکھے گی۔الطاف صاحب اس فیصلے کی تب تک پاسداری کرتے رہے جب تک شیخ تجمل الاسلامؒ وادی میں رہے لیکن جونہی وہ وادی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اور تو الطاف صاحب براہ راست جماعت سے وابستہ ہوگئے۔میرا ان کے ساتھ شروع سے آخر تک گہرا تعلق رہا۔تحریک حریت کے ساتھ ان کی وابستگی اور پھر اس تحریک کو پروان چڑھانے میں ان کا کردار واضح اور نمایاں ہے۔ان کی صلاحیتیں اور کارکردگی کا ہر کوئی معترف ہے۔وہ امام گیلانی کے کافی قریب تھے اور گیلانیؒ ان کے مشورے کو اہمیت دیتے تھے۔یہاں بھی ان کے حوالے سے رائے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی ،لیکن ہمیشہ وقت نے ثابت کیا کہ ان کے مشورے کارآمد ثابت ہوئے ۔مرحوم فنتوشؒ گفتار کے ساتھ ساتھ کردار کے بھی غازی تھے۔وہ حق بات پر ڈٹ جاتے تھے اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں زندگی کا بیشتر حصہ جیلوں میں گذارنا پڑا۔ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔لیکن وہ اپنے مشن سے نہیں ہٹے۔زندگی کی آخری سانسیں انہوں نے زنداں میں گذاریں اور یوں ثابت کیا کہ وہ حق کی خاطر جئے اور حق کی خاطر جان بھی جاں آفریں کے سپرد کردی۔یہ زندگی یونہی بھی فنا ہونیوالی ہے لیکن فنائیت میں جاودانیت اور بقا حاصل کرنا ایک کمال ہے ۔اپنے قائد سید گیلانیؒ اور اشرف صحرائیؒ کی طرح یہ مقام بھی حاصل کرگئے ۔۔الحمدللہ ۔ان کی جدائی میرے لئے ذاتی صدمے سے کم نہیں لیکن مجھے یہ بھی یاد ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے،اس دنیا سے سب کو اسی دائمی دنیا میں جانا ہے۔یہ حقیقت مجھے حوصلہ دے رہی ہے کہ عنقریب یہ عارضی جدائی خودبخود ختم ہوگی اور ان شاءاللہ راہ حق کے ان تمام ساتھیوں سے بالمشافہ ملاقات ہوگی۔۔۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

عبدالہادی احمد

ہمارے ایک بھائی ضیاء قریشی نے بڑی تحقیق وجستجو سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اساتذہ اور درس گاہوں کا سراغ لگایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آج کسی کو بھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا استاد کون تھا اور ان کا شاگرد کون ہے؟ اب کوئی ہمیں یہ بتا کر کتنا ثواب کمالے گا کہ صاحب تفہیم القرآن نے کس یونیورسٹی سے یا کون سے مدرسے سے سند فضیلت حاصل کی؟ مولانا مودودیؒ تو وہ ہستی ہیں کہ جن کا کام دنیا کی تمام نامور یونیورسٹیوں سے بڑھ کر ہے۔ایسے لوگوں کو استادوں کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ان حضرات کے دم قدم سے اساتذہ اور درس گاہوں کو اعتبار ملتا ہے۔کیا سید مودودیؒ کے حق میں یہی سند کافی نہیں کہ وہ اپنے دور کے ایک بہادر داعی اسلام تھے۔پورے زمانے کے سامنے سینہ تان کر یہ کہنے کی ہمت رکھتے تھے کہ اگر تم نے اسلام کے نفاذ کی جدوجہد میں حصہ نہ لیا،تو تمہاری دیگر عبادات بھی رائیگاں جائیں گی۔ سید مودودیؒ ایک عظیم مفکّر اسلام تھے؛ یہ الگ بات کہ اپنی عظمت کے فسانے سننے سنانے سے ان کو کبھی رغبت نہیں رہی۔ میں اس مجلس میں موجود تھا کہ جب چند طلبہ نے پہلی بار "سیدی مرشدی" کا نعرہ لگایا،تو مولانا نے ان کو سختی سے منع فرمایا۔ہم سب جانتے ہیں ان کو تختہ دار سے واپسی کا شرف ملا،مگر کبھی بھول کر بھی کسی سے اپنی اس عظیم الشان قربانی کا تذکرہ نہ فرمایا۔وہ تو ایک ایسے شخص کے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لیتے تھے کہ جو ان کی موجودگی میں ان پر گمراہی کے فتوے لگایا کرتا تھا۔ایمان سے کہیے کوئی شخص جو آپ کو گالیاں دیتا ہو آپ اس کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟

ان کے حاسد بے شمار رہے۔لیکن مولانا مودودیؒ نے کسی کا نام تک نہیں لیا۔ بہت سے لوگوں کو مولانا مودودیؒ بننے کی آرزو بھی رہی۔ مجھے الیکشن 1970ء کے موقعے پر ایک عالم دین جناب رضوی (یہ لاہور میں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑ رہے تھے) کے الفاظ کبھی نہیں بھولتے۔انہوں نے ایک انتخابی تقریر میں فرمایا تھا۔۔"پیپلز پارٹی والوں نے آج راستے میں مجھے گھیر لیا اور "مودودی ٹھاہ" کے نعرے لگائے۔ارے بدبختو کیا ہوا تمہیں۔کیا ہم اسلام کی خدمت نہیں کرتے؟"

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

" کئی عشرے پہلے کی بات ہے آغا باقر نامی ایک صاحب جو نوائے وقت میں کالم لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی وفات پر ایک پورا کالم یہ بتانے کے لیے لکھا کہ جب مولانا مودودی اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات پڑھاتے تھے تو میں بھی وہاں استاد تھا۔ایمان سے کہیے آج کتنے لوگ آغا باقر کا نام بھی جانتے ہیں۔حافظ شیرازی نے بھی بڑے لطیف انداز میں یہی بات کی، جب اپنا تقابل مجنوں سے کیا:

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
اُو بہ صحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

(مدرسہ عشق میں مجنوں اور میں ہم سبق تھے۔اس کے بعد وہ صحرا کی جانب نکل گیا اور میں گلیوں میں رسوا ہو رہا ہوں)

میرے،بہت سے کم عمر بھائیوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ آج سے چند عشرے پہلے مولانا مودودیؒ پر فتوے لگانا فیشن تھا۔مگر اب وہ دور ختم ہوگیا ہے، آج سے تیس چالیس برس پہلے مولانا مودودیؒ کو ضال و مضل کہنے والا بڑا عالم کہلاتا تھا،اگرچہ دبے الفاظ میں آج بھی ان پر تنقید بلکہ ان کی تنقیص کی جاتی ہے۔لیکن یہ دور تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ایک وقت آئے گا جب علوم دینی کی ٹکسال میں صرف مولانا مودودیؒ کا سکہ ڈھالا جایا کرے گا۔کسی کو یاد نہ ہوگا،کون ان پر تنقید کرتا تھا،کون ان کے خلاف فتوی بازی کیا کرتا تھا،کئی شیخ الاسلاموں اور شیخ الحدیثوں کا نام بھی کسی کو یاد نہ ہوگا۔

جماعت اسلامی کے پہلے امیر کا حلف اُٹھاتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا تھا کہ میرا دفاع کوئی بھی نہ کرے۔وہ فرمایا کرتے تھے،میرے لیے میرا رب کافی ہے۔میں بھی اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ سید مودودیؒ کا دفاع نہ کریں۔مولاناؒ کے لٹریچر میں اپنا دفاع کرنے کی قوت موجود ہے۔کرنے کا کام یہ ہے کہ مولاناؒ کے پیغام کو عام کریں۔آپ دیکھ لیں گے کہ بہت جلد مولانا مودودیؒ کے مخالفین جھاگ کی طرح بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ازلی قانون ہے کہ بقائے دوام صرف ان انسانوں کے لیے ہے جو نفع بخش ہیں۔جو نفع بخش نہیں ہیں وہ قانون الٰہی کے مطابق جھاگ کی مانند بے حقیقت ہو جائیں گے:

تو جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔سورۃ الرعد:17

☆☆☆

حقیقت یہ ہے کہ آج کسی کو بھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا استاد کون تھا اور ان کا شاگرد کون ہے؟ اب کوئی ہمیں یہ بتا کر کتنا ثواب کمالے گا کہ صاحب تفہیم القرآن نے کس یونیورسٹی سے یا کون سے مدرسے سے سند فضیلت حاصل کی؟ مولانا مودودیؒ تو وہ ہستی ہیں کہ جن کا کام دنیا کی تمام نامور یونیورسٹیوں سے بڑھ کر ہے۔ ایسے لوگوں کو استادوں کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ان حضرات کے دم قدم سے اساتذہ اور درس گاہوں کو اعتبار ملتا ہے۔کیا سید مودودیؒ کے حق میں یہی سند کافی نہیں کہ وہ اپنے دور کے ایک بہادر داعی اسلام تھے

کشمیر کا مقدمہ کون لڑے گا۔۔۔۔؟

محمد احسان مہر

عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت، دوقومی نظریہ پہ بننے والی پہلی اسلامی مملکت، جدید ترین ڈیفنس سسٹم، دنیا بھر میں بلند ترین اخلاقی مورال رکھنے والی بہادر فوج، ایسی ریاست جس کے بارے عام خیال تھا کہ یہ ریاست دنیا بھر کے مظلوموں کے حقوق کا تحفظ کرے گی، بالخصوص فلسطین اور کشمیر کی آزادی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرے گی۔

مگر یہ کیا ۔۔۔کیا معاشی ناہمواریوں اور کمزور معیشت کی وجہ سے ہم کشمیر کا مقدمہ چھوڑ دیں گے۔۔؟ کیا سیاسی انتشار میں کشمیریوں کی آواز دب جائے گی۔۔؟ یا مشکل اور غیر معمولی حالات میں قومیں اپنا مقصد بھول جاتی ہیں ۔۔؟ ہرگز نہیں !اب ایسی کوئی بھی غلطی دہرانے کی گنجائش نہیں، پاکستانی قوم پہلے ہی قائداعظمؒ کے فرمودات سے انحراف کر کے سانحہ مشرقی پاکستان کا سامنا کر چکی ہے، قائداعظمؒ نے بڑا واضح کہا تھا کہ مشرقی پاکستان پر حملے کی صورت میں مغربی پاکستان سے حملہ کیا جائے گا، لیکن اس فرمان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہمارا مشرقی بازو کاٹ دیا گیا۔

کشمیر کے حوالے سے بھی قائد اعظمؒ کا فرمان بڑا واضح ہے، انہوں نے کشمیر کو پاکستان کی شہہ رگ قرار دیا ہے، اور آج کشمیر کی جو حالت ہے وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ پاکستانی

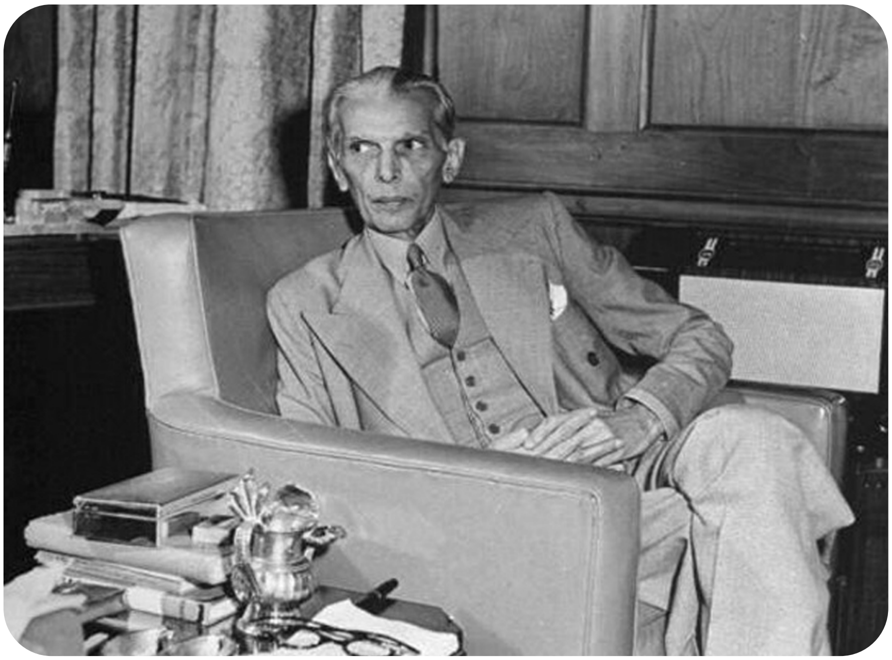

قوم اپنے کشمیری بھائیوں اور کشمیر کی موجودہ صورتحال کو کشمیر کے نام پر سیاست کرنے والے سیاستدانوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتی، 75 سال سے کشمیر کے نام پر اقتدار سے چمٹے رہنے والے سیاستدانوں کو اب حقیقی معنوں میں کشمیر کا مقدمہ لڑنا پڑے گا، کشمیریوں نے 4 صدیوں تک مغلوں، افغانوں، سکھا شاہی اور ڈوگر راجاؤں کے ظلم وستم کا سامنا کیا اور سات دہائیوں سے آپ کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی حمایت کی (آس) کی چھتری تلے بھارت کی درندہ صفت افواج کی درندگی کا سامنا کر رہے ہیں۔

کشمیر کے حوالے سے بھی قائداعظمؒ کا فرمان بڑا واضح ہے، انہوں نے کشمیر کو پاکستان کی شہہ رگ قرار دیا ہے، اور آج کشمیر کی جو حالت ہے وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ پاکستانی قوم اپنے کشمیری بھائیوں اور کشمیر کی موجودہ صورتحال کو کشمیر کے نام پر سیاست کرنے والے سیاستدانوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتی، 75 سال سے کشمیر کے نام پر اقتدار سے چمٹے رہنے والے سیاستدانوں کو اب حقیقی معنوں میں کشمیر کا مقدمہ لڑنا پڑے گا، کشمیریوں نے 4 صدیوں تک مغلوں، افغانوں، سکھا شاہی اور ڈوگر راجاؤں کے ظلم وستم کا سامنا کیا اور سات دہائیوں سے آپ کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی حمایت کی (آس) کی چھتری تلے بھارت کی درندہ صفت افواج کی درندگی کا سامنا کر رہے ہیں

مسلئہ کشمیر کا اہم فریق ہونے کے ناطے یہ پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ سفارتی محاذ پر جارحانہ انداز میں بھارت کے غیر آئینی اور غیر قانونی اقدامات اور کشمیریوں پر ہونے والے ظلم وستم کا پول کھولے، بالخصوص 5 اگست 2019 کے بھارتی اقدامات، دفعہ 370 اور 35 اے کا خاتمہ کر کے بھارت نے کشمیریوں سے آئینی حقوق چھین کر عملاً انہیں اپنے ہی گھر میں بیگانہ کر دیا، مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر اس وقت بھارت کی اک بڑی جیل کا منظر پیش کر رہی ہے، بھارت کشمیریوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے گھناؤنے منصوبے پر عمل پیرا ہے، جہاں آبادی کا تناسب بدلنے کے ساتھ ساتھ سیاسی اور انتظامی طور پر بھی مسلمانوں کے کردار کو ختم کیا جا رہا ہے، ان مخدوش حالات کے باوجود اقوام متحدہ، عالمی برادری اور انسانی حقوق کے نام نہاد

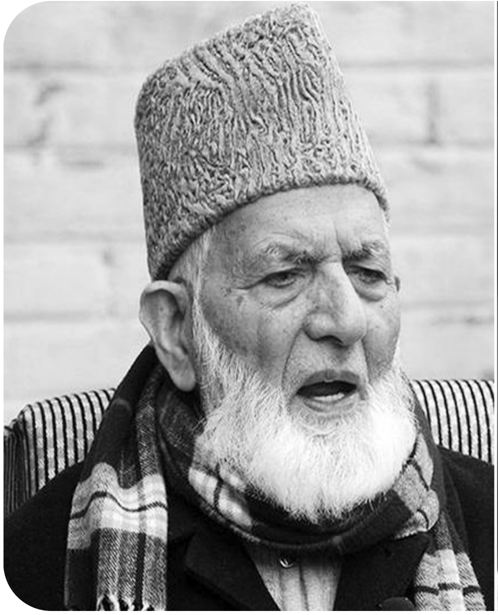

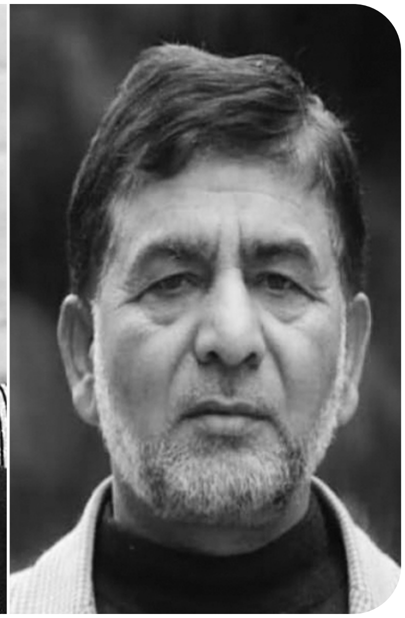

عالمی ادارے خاموش تماشائی بنے کھڑے ہیں،

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کہیں ہم نے کشمیریوں کو اکیلا تو نہیں چھوڑ دیا بھارت جس جارحانہ انداز میں کشمیر پر اپنے قبضے کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہا ہے کیا اس کے سامنے فقط پاکستانی بیانات کافی ہوں گے کیا کشمیری حریت قیادت پاکستان کے اقدامات سے مطمئن نظر آتی ہے۔ چند دن پہلے حریت لیڈر الطاف شاہ فنتوش کو بھی دوران حراست شہید کر دیا گیا، بھارتی میڈیا کے مطابق وہ 2017 سے علٰحیدگی پسندوں کے لیے فنڈنگ کے الزام میں تہاڑ جیل میں تھے، الطاف شاہ فنتوش حریت قائد سید علی شاہ گیلانی ؒ کے داماد تھے، وہ طویل عرصے تک حریت قائدین کے ساتھ بھارتی عقوبت خانوں میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کررہے تھے۔

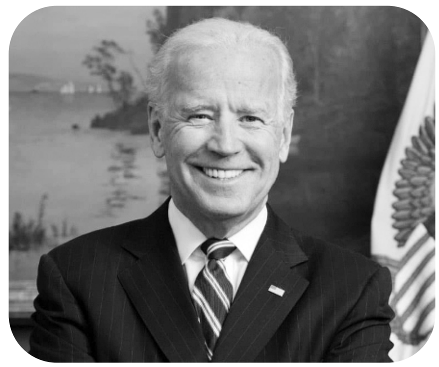

مسلئہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے کر جانے والا بھارت، آج اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی منظور شدہ قراردادوں کی کھلے عام خلاف ورزی کر رہا ہے اور کشمیریوں کو حق خودارادیت دینے کے بجائے کشمیریوں کے گھروں کو ہی ان کے لیے جیل بنا کر ان کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے، کشمیری جارح قوتوں کے خلاف جدو وجہد کا تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ جس طرح وادی میں مٹھی بھر مجاہدین نے 9 لاکھ سے زائد بھارتی افواج کی ناک میں دم کر رکھا ہے اس سے ان کے عظم و ہمت اور استعداد کار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کشمیریوں کا پشتیبان بن کر ان کے ساتھ کھڑا رہے، کشمیریوں کی حق خودارادیت کی تحریک بہت جلد بھارت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردے گی (انشاءاللہ)

عالمی طاقتیں علاقائی بالادستی کے لیے بساط بچھا چکی ہیں، امریکی صدر جو بائیڈن کا پاکستان کے حوالے حالیہ بیان اسی سلسلے کی کڑی ہے، امریکی صدر جس طرح پاکستان کو ایک خطرناک ملک قرار دے کر اس کے ایٹمی پروگرام کو غیر منظّم کہہ رہے ہیں۔ پاکستان امریکی صدر کی اس حواس باختگی کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے، بلیک واٹر جیسی خفیہ امریکی ایجنسیاں 4 عشروں سے پاکستان کی خاک چھان رہی ہیں لیکن انہیں اس (غیر منظّم) پروگرام کی ہوا بھی نہیں لگی جس کی وجہ سے امریکہ سٹپٹا کر رہ گیا ہے، رہی سہی کسر ہاتھ سے سرکتی ہوئی علاقائی بالا دستی نے پوری کر دی ہے، امریکہ علاقے میں بھارت کو تھانیدار کے طور پر آگے بڑھا رہا تھا لیکن یوکرین کی حالت دیکھ کر بھارت کی آنکھیں کھل گئیں اب امریکہ کے پاس علاقے میں اپنے مفادات اور اثر رسوخ کو قائم رکھنے کے لیے پاکستان کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا، یہی وجہ ہے امریکہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو غیر محفوظ کہہ کر دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے لیکن پاکستان کا سخت ردعمل دیکھ کر ایف سولہ طیاروں کے پروگرام کو آگے بڑھانے کا بھی عندیہ دے دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان عالمی طاقتوں کی بچھائی گئی بساط پر کس طرح آگے بڑھتا ہے، ایک کامیاب کھلاڑی کی طرح کھیلنے سے ہی پاکستان کشمیر کا مقدمہ جیت سکے گا۔

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کہیں ہم نے کشمیریوں کو اکیلا تو نہیں چھوڑ دیا بھارت جس جارحانہ انداز میں کشمیر پر اپنے قبضے کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہا ہے کیا اس کے سامنے فقط پاکستانی بیانات کافی ہوں گے کیا کشمیری حریت قیادت پاکستان کے اقدامات سے مطمئن نظر آتی ہے۔ چند دن پہلے حریت لیڈر الطاف شاہ فنتوش کو بھی دوران حراست شہید کر دیا گیا، بھارتی میڈیا کے مطابق وہ 2017 سے علٰحیدگی پسندوں کے لیے فنڈنگ کے الزام میں تہاڑ جیل میں تھے، الطاف شاہ فنتوش حریت قائد سید علی شاہ گیلانی ؒ کے داماد تھے، وہ طویل عرصے تک حریت قائدین کے ساتھ بھارتی عقوبت خانوں میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کررہے تھے۔

الطاف شاہ کی موت اور بھارتی جیلوں میں سیاسی قیدیوں کی کسمپرسی

افتخار گیلانی

10 اکتوبر کی رات کو جب دہلی کے آل انڈیا انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز میں پچھلے پانچ سالوں سے تہاڑ جیل میں قید حریت لیڈر اور بزرگ کشمیری لیڈر مرحوم سید علی گیلانی کے داماد، الطاف احمد شاہ کی موت کی خبر آئی، تو شاید ہی اس پر کسی کو حیرت ہوئی ہو۔ قیدیوں کو علاج و معالجہ کی سہولیات فراہم نہ کرنے کے سبب پچھلے ایک سال میں یہ کسی سیاسی قیدی کی موت کا چھٹا واقعہ ہے۔ ان میں کشمیر سے جماعت اسلامی کے رکن غلام محمد بٹ، تحریک حریت کے صدر محمد اشراف صحرائی کے علاوہ مہاراشٹرہ میں بائیں بازو کے ماؤنوازوں کو مدد دینے کے الزام میں قید 83 سال کے پادری سٹن سوامی، 33 سال کے پانڈو ناروتے اور 38 برس کی عمر کے کنچن نانووارے شامل ہیں۔ نانووارے کی پچھلے سال جنوری میں دوران حراست غلط برین سرجری کی گئی تھی، جس کے بعد ان کی موت ہوگئی۔ حیرت کا مقام ہے کہ عدالتیں، پولیس اور تفتیشی ایجنسیوں کے اس استدلال کو تسلیم کرتی ہیں کہ جیلوں میں علاج و معالجہ کی سہولیات موجود ہیں، اس لئے اس گراونڈ کو لیکر ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے۔ مگر جیل میں کس قدر علاج و معالجہ کی سہولت دستیاب ہیں اور وہاں ڈاکٹروں کا رویہ کیسا ہوتا ہے، اس کا میں خود گواہ ہوں۔ تہاڑ، جس کو ایک ماڈل جیل کے بطور پیش کیا جاتا ہے کی جیل نمبر تین میں واقعی ایک بہترین اسپتال ہے، جس کو ججوں و معائنوں پر آئے افسران اور کسی وقت غیر ملکی ٹیموں کو دکھا کر متاثر کیا جاتا ہے۔ 2002 میں جب نو روز تک دہلی پولیس کی اسپیشل سیل کے انٹروگیشن میں رہنے کے بعد مجھے تہاڑ جیل منتقل کیا گیا، تو داخلہ کے وقت ہی مجھے جیل ڈاکٹروں کے رویہ کا ادراک ہوا۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کے آفس کے بعد کاغذی کارروائی پورا کرنے کیلئے مجھے جیل آفس سے متصل ڈاکٹر کے سامنے پیش کیا گیا، تو بجائے مجھے دیکھنے کے وہ مجھ پر لگائے گئے الزامات دریافت کرنے لگا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ میں آفیشل سیکرٹس ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا ہوں، تو اس نے پاکستانی ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر مجھے کوسنا شروع کردیا۔ ڈاکٹر اور اس کے اسسٹنٹ کو نئے قیدیوں کو سیل یا وارڈوں میں بھیجنے سے قبل ان کی طبی جانچ اور اگر وہ زخمی ہوں، تو اس کا اندراج کرنا ہوتا ہے۔ میری ناک اور کان سے خون رس رہا تھا۔ اس نے ان زخموں کو پولیس اور انٹروگیشن کے کھاتے میں ڈال کر مجھے دستخط کرنے کیلئے کہا۔ میں نے اسکو کہا کہ یہ خاطر داری چند لمحے قبل جیل آفس میں ہی ہوئی ہے۔ اسکا پولیس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسکو یقین نہیں آرہا تھا کہ مجھ جیسے غدار کو پولیس نے کیسے بخشا ہے۔ خیر اس نے جیل حکام کے حوالے کر کے مجھے سیل میں لیجانے کا اشارہ دے دیا۔ جیل نمبر تین کے اس اسپتال میں، جہاں الطاف شاہ کو کئی ماہ تک کینسر کا علاج کرنے کے بدلے بس پین کلر دیکر واپس سیل میں بھیج دیا جاتا تھا، کے او پی ڈی میں میرا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اسٹیتھوسکوپ لگانا تو دور کی بات، ڈاکٹر قیدیوں کو دور رکھ کر ان کو ہاتھ لگائے بغیر علاج تجویز کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یا تو مریضوں کو چھو کر وہ اپنا دھرم بھرشٹ نہیں کرنا چاہتے ہیں یا حکیم بقراط کی طرح وہ دور سے ہی چال دیکھ کر ہی تشخیص کرتے ہیں۔ بجائے مریض سے اسکی بیماری کے بارے میں پوچھنے کے، وہ اس کے کیس کے بارے میں تفتیش کرکے، سزائیں بھی تجویز کرتے رہتے ہیں۔ میڈیکل سائنس کی پوری اخلاقیات کا جیل کے ڈاکٹروں نے جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ علاج کے نام پر تمام مریضوں کو ایک ہی دوا دیتے تھے، چاہے پیٹ کا درد ہو یا نزلہ یا زکام۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہمارے وارڈ میں ایک قیدی کو شدید نزلہ، زکام لاحق ہوگیا تھا اور دوسرے قیدی کو دست ہوگئے تھے۔ دونوں جب اسپتال سے واپس آئے تو معلوم ہوا ان کو ایک ہی گولی دی گئی تھی اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ دونوں صحت یاب بھی ہوگئے۔ اس پر ایک دوسرے قیدی نے لقمہ دیا۔ کہ دراصل دونوں کے جسم میں گندگی جمع ہوگئی تھی۔ ایک کی گندگی ناک و منہ سے نکل رہی تھی اور دوسرے کی گندگی نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس ایک گولی نے اصل میں گندگی کو ٹھیک کردیا۔ تہاڑ میں گذرے آخری دنوں میں جب میرا کیس تقریباً ختم ہونے کے قریب تھا، میڈیا نے باہر دباؤ بنایا ہوا تھا اور حکومت خود ہی اسکو واپس لینے پر غور کر رہی تھی، میں جیل حکام کا خاصا لاڈلا بن گیا تھا۔ اس عرصہ میں وہ میرا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک رات میرے پیٹ میں سخت درد اٹھا کہ برداشت سے باہر ہوگیا۔ کئی بار الٹیاں ہوگئی تھیں۔ رات کی ڈیوٹی پر مامور جیل حکام بیرکوں اور وارڈوں کو بند کر کے جیل آفس میں جا کر آرام کرتے ہیں۔ میرے ساتھی قیدیوں نے شور مچا کر جیل آفس تک آواز پہنچانے کی کوشش کی۔ آدھے گھنٹے کے بعد ایک وارڈن آگیا اور بیرک کی سلاخوں کے باہر سے انکو ڈانٹ کر پوچھا کہ وہ کیوں شور مچا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ قیدی کی طبیعت خراب ہے۔ اس نے نام پوچھا۔ گیلانی کا نام سنتے ہی اس نے کہا کہ مرنے دو اور واپس چلا گیا۔ قیدی بھی سکتے میں آگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیرک میں موجود پچاس سے زائد قیدیوں نے دوبارہ چیخ و پکار بلند کی، کیونکہ کچھ عرصہ قبل اسی

> جموں کے جوائنٹ انٹروگشن سینٹر میں ان کو ایک اندھیری قبر میں دیکھ کر علی گیلانی نے لکھا تھا۔۔ ''حسن جنون نواز کا پایا جو التفات مستی میں آکے موت سے ٹکرا گئی حیات'' جو میدان الطاف شاہ نے چنا تھا اس میں معلوم ہی تھا کہ موت و حیات ہمیشہ باہم دست و گریباں رہیگی۔ اس میدان میں زندگی بہت مہنگی اور موت ارزاں ہوتی ہے۔ موت، زندگی سے ایک لمحے کے فاصلے پہ تعاقب میں پھرتی ہے۔ دل، گردہ چاہیے، اس میدان میں جمے رہنے کیلئے

وارڈ میں ایک قیدی کی رات کے وقت موت ہوگئی تھی اور صبح سویرے پورے وارڈ کی کلاس لی گئی تھی، کہ انہوں نے جیل حکام کو کیوں آگاہ نہیں کرایا۔جیل سپرنٹنڈنٹ نے ہدایت دی تھی، کہ ایسی صورت حال میں گلا پھاڑ کر چیخ وپکار بلند کیا کریں تاکہ آواز جیل کنٹرول روم تک پہنچے۔ایک گھنٹے کے بعد دوسرا وارڈن، ڈاکٹر سمیت آگیا اور بیرک کھول کر مجھے اسپتال میں داخل کروایا۔اگلے روز پہلے والا وارڈن اسپتال میں آکر معافی مانگ کر صفائی دینے لگا کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ پارلیمنٹ والا گیلانی (مرحوم عبدا الرحمان گیلانی، جو پارلیمنٹ حملہ کیس میں انہی دنوں اسی جیل میں تھے،اور بعد میں بری ہوگئے) ہے،اس لئے اس نے دھیان نہیں دیا۔

الطاف احمد شاہ اپنے سسر سید علی گیلانیؒ کی طرح ہی زمانہ طالب علمی سے ہی سیاست سے وابستہ رہے ہیں۔ پرانے سرینگر شہر کے خانقاہ معلی محلّہ کے مقیم ان کے والد محمد یوسف شاہ، شیخ محمد عبداللہ کے دست راست اور معروف تاجر بھی تھے۔جب شیخ عبداللہ محاذ رائے شماری کی قیادت کر رہے تھے،تو ان کے ساتھ جیل بھی گئے ہیں۔ وہ ایک کٹر نیشنل کانفرنس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔مگر زمانہ طالب علمی میں ہی وہ شیخ عبداللہ کے سحر سے ایسے وقت آزاد ہوگئے تھے، جب نیشنل کانفرنس کے خلاف شہر سرینگر میں ہلکی سی کانا پھوسی بھی موت کو آواز دینا تھا۔الطاف شاہ کے والد محمد یوسف شاہ کی سرینگر کے مرکز لال چوک میں فنٹوش ہوزری کے نام سے ایک دکان تھی۔جس کی نسبت سے ان کو بھی الطاف فنٹوش کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ دکان ایک طرح سے محاز رائے شماری بعد میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کی ایک پنڈ ہوتی تھی۔غلام محمد بھدروائی، بشیر احمد کچلو، شیخ نذیر وغیر سینئر نیشنل کانفرنس کے لیڈران دوپہر بعد ان کی دکان پر چائے کی چسکیاں لیکر گفتگو کرتے تھے۔۔۔۔بعد میں جب الطاف شاہ اپنے والد کے ساتھ اس دکان کو سنبھالنے لگے تو یہ جماعت اسلامی، پیپلز لیگ، آزادی پسند تنظیموں کے لیڈروں کا ٹھکانہ بن گئی۔ یہ ایک طرح سے سیاست کے دو کناروں کے لیڈروں کا ایک میٹنگ پوائنٹ بن گیا تھا۔ الطاف شاہ کی کاوشوں سے شہر سرینگر کے متعدد نوجوان نیشنل کانفرنس اور شیخ

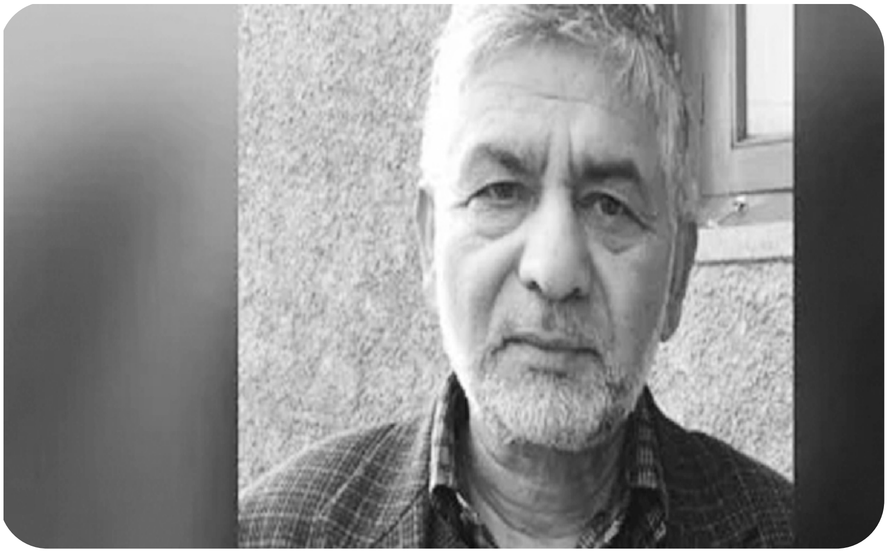

عبداللہ کے سحر سے آزاد ہوگئے۔وہ ایک زیرک سفارت کار اور ڈپلومیسی کے ذریعے ہر پیچیدہ معاملہ سلجھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

شیخ عبداللہ کے علاوہ شہر کے چند علاقوں میں میرواعظ خاندان کا طوطی بولتا تھا اور یہ دونوں مل کر کسی تیسری قوت کو شہر میں پیر جمانے نہیں دیتے تھے۔دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے، عدم برداشت ان کے کارکنوں میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی ۔ میں نے پہلی بار ان کو غالباً اکتوبر 1983 میں دیکھا۔اسکول کے امتحانات ختم ہوچکے تھے،تو میں سوپور سے اپنے ننہال سرینگر کے قدیمی علاقے مہاراج گنج آیا ہوا تھا۔ سرینگر سے شائع ہونے والے روزنامہ آفتاب میں ان کے مضامین پڑھتا تھا۔ان دنوں اسمبلی انتخابات کی مہم زوروں پر تھی۔شیخ عبداللہ کی موت کے ایک سال بعد نیشنل کانفرنس یہ انتخابات فاروق عبداللہ کی قیادت میں اور میرواعظ کی پارٹی عوامی ایکشن کمیٹی کے اشتراک کے ساتھ لڑ رہی تھی۔ جماعت اسلامی نے زینہ کدل سیٹ سے الطاف احمد کو کھڑا کیا ہوا تھا۔ یہ شیروں کے ساتھ ان کی کچھار میں پنجہ آزمائی کے مترادف تھا۔لگا کہ باہر کچھ شور برپا ہے۔ایک نوجوان دروازہ کھٹکھٹا کر لوگوں سے جماعت اسلامی کے نشان ترازو پر ووٹ ڈالنے کی استدعا کر رہا تھا۔ان سے علیک سلیک تو نہیں ہوئی، مگر میں نے دیکھا کہ گلی میں لوگ ان کو کوس رہے تھے، گالیاں دے رہے تھے کہ وہ کیسے شیخ عبداللہ کی پارٹی کی مخالفت کرنے کی جرات کر رہا ہے۔مقامی مسجد کے پاس چند لوگ باتیں کر رہے تھے کہ یوسف صاحب جیسے شریف آدمی نے اولا د نا خلف کو جنم دیا ہے وہ کیسے اس کو برداشت کر رہے ہیں؟ اس الیکشن میں ان کو بس 461ووٹ ملے تھے۔1986 میں جب ان کی شادی علی گیلانی کی تیسری بیٹی زاہدہ سے طے ہوئی تو وہ کئی بار جیل کی ہوا کھا چکے تھے اور جماعت اسلامی کے سرگرم اراکین میں شامل تھے۔اس رشتہ کی وجہ سے اگلے سال 1987 کے الیکشن میں ان کو منڈیٹ نہیں دیا گیا۔کیونکہ مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کا اتحاد، جو نیشنل کانفرنس۔کانگریس اتحاد کے خلاف بن گیا تھا، نے سید علی گیلانیؒ کو پارلیمانی بورڈ اور انتخابی مہم کا سربراہ بنا کر امیدواروں کو سلیکٹ کرنے کا کام سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت حکومتی اتحاد کے خلاف ایک زبردست لہر چل رہی تھی۔ فاروق عبداللہ کے کانگریس کے ساتھ اتحاد کرنے سے شہر میں خصوصاً غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بھارت میں اس پر اتفاق رائے ہے کہ ان انتخابات میں بے تحاشا دھاندلیوں اور نتائج میں ہیر پھیر کی وجہ سے ہی 1989 میں عسکری تحریک کا جنم ہوا۔ مینڈیٹ نہ ملنے کے باوجود الطاف شاہ ہی شہر سرینگر میں انتخابی اسٹریٹجی کی کمان کر رہے تھے۔حزب المجاہدین کے سربراہ محمد یوسف شاہ (صلاح الدین) لال چوک حلقہ سے انتخابی میدان میں تھے،اور جموں کشمیر لبریشن فرنٹ (جے کے ایل ایف) کے سربراہ محمد یاسین ملک ان کے انتخابی ایجنٹ تھے۔

الطاف شاہ سے میری باضابطہ پہلی ملاقات دہلی کے کشمیر ہاؤس

میں ہوئی، جب میں جرنلزم کی پڑھائی کیلئے دہلی 1990 میں وارد ہو چکا تھا۔ ہمارے ایک رشتہ دار کشمیر یونیورسٹی میں پروفیسر وجیہہ احمد علوی امریکہ جا رہے تھے اور سامان وغیرہ کی پیکنگ کرنے کیلئے انہوں نے مجھے شام کو کشمیر ہاؤس آنے کیلئے کہا، جہاں وہ ٹھہرے تھے۔ ان ہی کے کمرے میں الطاف شاہ بھی ٹھہرے تھے، جو چند روز قبل سرینگر میں حالات خراب ہونے کے سبب آئے تھے اور دہلی میں سفارتی اور میڈیا کے اداروں کو اس کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ کشمیر ہاؤس سے باہر کہیں رہائش پذیر ہونا چاہتے تھے۔ ڈنر کے بعد وہ میرے ساتھ ہی نکلے اور میرے ایک کمرے کے ڈیرے پر مقیم ہوئے۔

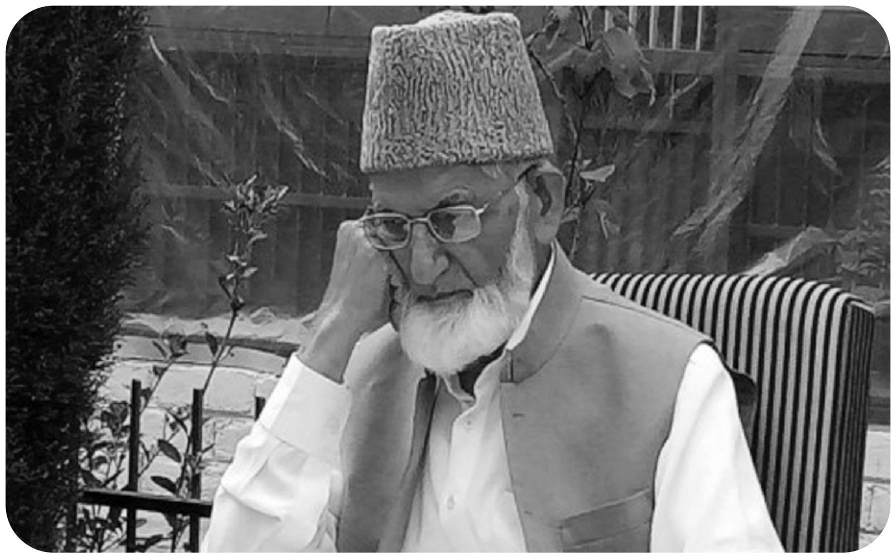

میں دن بھر کلاس اٹینڈ کر کے جب واپس آتا تھا تو اکثر کسی ہوٹل میں رات کا کھانا کھاتا تھا۔ مگر الطاف شاہ نے آتے ہی اسٹوو اور برتنوں کا انتظام کر دیا اور کافی دنوں بعد ان کی وجہ سے گھر جیسا کھانا نصیب ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے پاس مہمان وغیرہ آتے تھے تو انہوں نے کچھ عرصہ بعد الگ رہائش کا انتظام کر دیا۔ چند ماہ بعد جب وہ عید منانے سرینگر جا رہے تھے تو ایئر پورٹ پر ان کو گرفتار کر کے جموں کے جوائنٹ انٹروگیشن سینٹر (جے آئی سی) پہنچا دیا گیا۔ ان ہی دنوں وہاں علی گیلانی کو بھی پہنچایا گیا تھا۔ ان کے سامنے ان کو تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ان کو پورے آٹھ ماہ تک ایک تاریک قبر میں رکھا گیا۔ روداد قفس میں سید علی گیلانی رقم طراز ہیں کہ ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان اس قبر میں کیسے زندہ رہا؟ کسی جاندار شے کو ایک طویل عرصے تک سورج کی روشنی سے محروم رکھا جائے تو اس کی جان دھیرے دھیرے نکلتی ہے۔ جسم پھول جاتا ہے اور اعضاء پر کائی جم جاتی ہے۔ پھر خود بخود اسکی موت واقع ہو جاتی ہے۔ الطاف شاہ صرف اس لئے اس مقتل سے زندہ لوٹ آیا کہ اللہ نے ابھی اس کی زندگی باقی رکھی تھی، ورنہ پروگرام تو یہی لگ رہا تھا کہ گھٹ گھٹ کر، سڑ سڑ کر، ایڑیاں، رگڑتے رگڑتے، وہ جان جان آفریں کے سپرد کر دے۔ آٹھ ماہ بعد اس اندھیری قبر میں رہنے کے بعد ان کو جموں سینٹرل جیل منتقل کیا گیا۔ جب انکے والد اور بچے ملنے آئے تو وہ ان کو پہچان ہی نہیں پا رہے تھے۔ ان کا بدن پھول چکا تھا اور آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ اسلئے ان کی فیملی نے جموں میں ہی قیام کیا تا کہ ان کو ادویات اور خوراک کی فراہمی کر کے ان کی بحالی صحت کی کوشش کریں۔ غالباً چار سال اس جیل میں قید رہنے کے بعد ان کو اسوقت رہائی ملی جب حریت کانفرنس کی تشکیل کے خد و خال ترتیب دیئے جا رہے تھے۔ الطاف احمد شاہ اور حسام الدین ایڈوکیٹ دو ایسے اشخاص ہیں، جو سید علی گیلانی کے پیچھے ایک طرح سے اسٹرٹیجسٹ کے طور پر کام کرتے تھے۔ دونوں شعلہ بیان مقرر تو نہیں تھے، مگر پلاننگ اور اسٹریٹیجی ترتیب دینا ان کا خاصہ تھا۔ الطاف شاہ خاص طور پر خاصے لو پروفائل رکھتے تھے۔ پورا اسٹیج وغیرہ ترتیب دیکر وہ خود پیچھے یا سامعین میں ہی بیٹھ جاتے تھے۔

2003 کے بعد جب کچھ سیاسی اسپیس کشمیری لیڈروں کو حاصل ہو گئی تھی، ان کے مشورہ پر علی گیلانی نے اس کا بھرپور استعمال کر کے عوامی رابطہ مہم شروع شروع کی۔ وہ اس گھر گھر مہم کے آرگنائزر تھے۔ جس کے نتیجے میں پونچھ راجوری اور جموں شہر سے لیکر گریز اور کرنا اور اوڑی کے دور دراز علاقوں تک علی گیلانی نے گھر گھر جا کر لوگوں سے ملاقاتیں کی اور تقاریر کیں جب بارہمولہ میں ان کے میزبان کو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا تو علی گیلانی رات کو کسی مسجد میں رکتے تھے۔ اس سے عوامی رابطہ کی اور راہیں نکلتی تھیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ مسجد میں پورا محلّہ یا کم و بیش قصبہ کے لوگوں کا اژدہام بیٹھتا تھا۔ 2008 میں جب کشمیر کی سیاسی تحریک کو جہت ملی، تو یہ عوامی رابطہ مہم اس کی ایک بڑی وجہ تھی۔ پھر 2010 اور 2014 کی اسٹریٹ ایجی ٹیشن جس کو کشمیر کا انتفادہ کہا جاتا ہے وہ اسی مہم کی پیداوار تھی۔ اس مہم کی کامیابی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی، جس کی وجہ سے 15 ستمبر 2004 کو حسام الدین کو سرینگر میں ان کے گھر پر نامعلوم بندوق برداروں نے ہلاک کر دیا۔ اسکے دو ماہ بعد 7 نومبر 2004 کو الطاف احمد جب افطار کرنے کے بعد نماز مغرب ادا کرنے مسجد کی طرف جا رہے تھے، ان پر فائر کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا گیا۔ ان کے ایک پڑوسی ڈاکٹر نے ان کا بروقت علاج کر کے خون رکوانے کا کام کیا اور پھر سرینگر اور دہلی میں ڈاکٹروں کی ان تھک محنت اور لاتعداد آپریشن کروانے کے ایک سال بعد وہ شفایاب ہو گئے۔ ان دونوں پر قاتلانہ حملوں کی وجہ یہی تھی کہ لوگ علی گیلانی کے قریب آنے اور کھل کر سرگرمیاں کرنے سے باز رہیں۔ سید علی گیلانیؒ نے 2007 میں اپنی تنظیم "تحریکِ حریت کشمیر" بنائی تو اس کی تشکیل میں الطاف شاہ نے اہم کردار نبھایا اور بعد میں اسی تنظیم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ کوئی بھی شخص مکمل نہیں ہوتا۔ خامیاں تو ہوتی ہی ہیں۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے سید علی گیلانی کے ارد گرد ایک حصار بنایا ہوا ہے، جو کسی اور کو ان کے قریب نہیں آنے دیتا ہے۔ اسکی پہلی شکایت غلام قادر وانی نے کی تھی، جن کو سوپور میں گیلانی صاحب کے جانشین کے بطور دیکھا جاتا تھا اور وہ بھی ان سے ایک طرح اپنی اولاد کی

طرح کا پیار کرتے تھے۔ وہ تحریر اور تقریر دونوں میں واقعی سید گیلانی کے جانشین لگتے تھے۔ الطاف شاہ کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد وہ ان سے دور ہوتے گئے اور بعد میں جماعت اسلامی سے ہی کنارہ کش ہوکر جے کے ایل ایف میں چلے گئے تھے، ان کو بھی نامعلوم بندوق برداروں نے 4 نومبر 1998 کو بانڈی پورہ سے متصل ارن گاؤں میں اپنے گھر پر ہلاک کردیا تھا۔ وانی کی طرح دیگر ایسے افراد بھی، جن کو علی گیلانی کی سرپرستی حاصل تھی اور اگر یہ جاری رہتی تو ایک اثاثہ ثابت ہوسکتے تھے، اس دور میں ان سے دور ہوتے گئے۔ سوپور، جہاں علی گیلانی نے اپنی سیاست کا آغاز کیا اور مشکل وقت میں اس قصبہ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا، میں عام شکایت تھی کہ الطاف شاہ نے ہی علی گیلانی کو سرینگر منتقل ہونے پر مجبور کردیا، جس کی وجہ سے یہ قصبہ سیاسی طور پر یتیم ہوکر رہ گیا۔

یکم اکتوبر کو این آئی اے کی درخواست کے جواب میں رام منوہر لوہیا اسپتال کی میڈیکل رپورٹ میں درج ہے: "فی الحال مریض ایک سے زیادہ اعضاء کی خرابی کے ساتھ شدید بیمار ہے ااسکو زندہ رکھنے کیلئے وینٹی لیٹر اور سپورٹ کی ضرورت ہے۔ مریض کو آنکولوجی سپورٹ اور پی ای ٹی اسکین کی ضرورت ہے جو ہمارے ہسپتال میں دستیاب نہیں ہیں، اس لیے مریض کو اوپر بیان کردہ مرکز میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔'' ان کی بیٹی رواشاہ آخری وقت تک ان کے علاج کی اپیل کرتی رہی۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا کہ 'ڈاکٹروں نے بتایا کہ اُن کا دل اور گردے بیکار ہوگئے ہیں صرف دماغ کام کر رہا ہے۔ ابو نے کچھ کہنے کے لیے کاغذ اور قلم کا اشارہ کیا لیکن

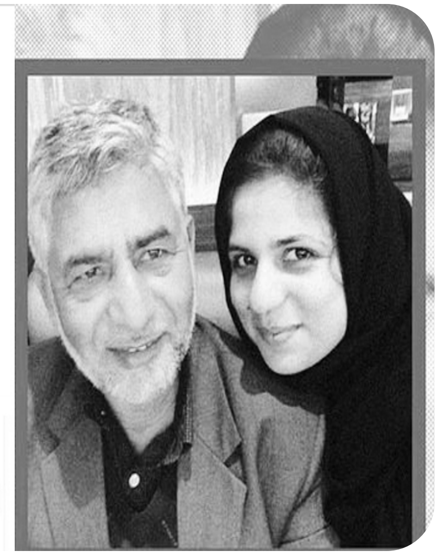

اس کی اجازت نہیں دی گئی''۔ جیل کے ڈاکٹر مہینوں تک ان کو پین کلر دیکر واپس سیل میں بھیجتے تھے۔ کئی ماہ بعد جب ان کی طبیعت بگڑ گئی، تو انکو پہلے دین دیال اپادھیائے اسپتال میں اور پھر دلّی کے رام منوہر لوہیا ہسپتال میں منتقل کیا گیا، جہاں ڈاکٹروں نے تشخیص کی کہ کینسر ان کے جسم میں آخری اسٹیج تک پہنچ چکا ہے۔ تیزی سے پھیلتے کینسر کی وجہ سے اُن کے اہم اعضا ناکارہ ہوچکے ہیں۔ رُواشاہ اپلیں کرتی رہیں کہ ان کے والد کو آل انڈیا انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز منتقل کیا جائے جہاں سرطان کے علاج کے لیے باقاعدہ شعبہ ہے۔ سابق وزیراعلیٰ محبوبہ مفتی نے بھی وزیر داخلہ امیت شاہ سے اپیل کی تھی کہ انسانی بنیادوں پر الطاف شاہ کو ضمانت دی جائے کیونکہ اُن کی حالت بہت تشویشناک ہے۔ دہلی ہائی کورٹ کے آرڈر پر جب انکو آل انڈیا انسٹیٹیوٹ شفٹ کیا گیا، تو پہلے اس آرڈر کی تکمیل میں حکام نے دو قیمتی دن لگائے اور جب ان کو منتقل کیا گیا وہ کوما میں چلے گئے تھے۔

واضح رہے تہاڑ جیل میں قید یاسین ملک، شبیر شاہ، آفتاب شاہ عرف شاہد الاسلام اور انجینئر رشید سمیت متعدد کشمیری سیاسی رہنماوں کو کئی عارضوں کا سامنا ہے۔ یاسین ملک کی اہلیہ اور ہمشیرہ، شبیر شاہ اور آفتاب شاہ کی بیٹیاں بھی

آئے روز حکام سے اپیلیں کرتی رہتی ہیں کہ اُن کے علاج کی خاطر انھیں انسانی بنیادوں پر گھروں میں ہی نظر بند رکھا جائے یا کم از کام ان کا تسلی بخش علاج کرایا جائے۔ الطاف احمد شاہ کی کسمپرسی میں موت اشارہ کرتی ہے کہ ان لیڈروں کی زندگیوں کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے اور وہ ادھار کی سانسیں لے رہے ہیں۔ جموں کے جوائنٹ انٹروگشن سینٹر میں ان کو ایک اندھیری قبر میں دیکھ کر علی گیلانی نے لکھا تھا۔۔۔ حسن جنون نواز کا پایا جو التفات مستی میں آکے موت سے ٹکرا گئی حیات جو میدان الطاف شاہ نے چنا تھا اس میں معلوم ہی تھا کہ موت و حیات ہمیشہ باہم دست و گریباں رہیگی۔ اس میدان میں زندگی بہت مہنگی اور موت ارزاں ہوتی ہے۔ موت، زندگی سے ایک لمحے کے فاصلے پہ تعاقب میں پھرتی ہے۔ دل، گردہ چاہیے، اس میدان میں جمے رہنے کیلئے۔ دو بار انہوں نے موت کو چکمہ دیا تھا۔ شاید وہ تیسری بار بھی اسکو شکست دیتے، اگر ان کا خاطر خواہ علاج کرایا جاتا یا تہاڑ جیل کے ڈاکٹر اپنے پیشے کے اصولوں سے انحراف نہیں کرتے۔ بس نام رہے گا اللہ کا جو غائب بھی ہے حاضر بھی جو منظر بھی ہے ناظر بھی۔

☆☆☆

کیا بھٹو کو تحریک آزادی کشمیر یاد نہ تھی

شہزاد منیر احمد

پاکستان کی تاریخ میں ستمبر 1965 کی انڈو پاک جنگ بہت بڑا واقعہ تھا۔ افواج پاکستان کے ہاتھوں ہندوستان کے چار گنا سے زائد لشکر اور بے پناہ جنگی وسائل کی دستیابی کے باوجود ان کے ہر حربے اور جارحانہ عزائم کو ناکام بنانے کا معجزہ اور قابل تحسین کامیابی تھی۔۔یہی اس جنگ کا معجزاتی پہلو اور قابلِ ذکر کشش تھی جس نے دنیا بھر کے عسکری وقائع نگاروں کو پاکستانی قومی نغمہ "اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے" اے راہ حق کے شہیدو" تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں۔" سن کر جھومنے پر مجبور کر دیا تھا۔

6 ستمبر 1965 کو علی الصبح ہندوستانی افواج نے گجرات کے قریب گاؤں اعوان شریف اور لاہور واہگہ بارڈر پر ہندوستانی مسلح افواج نے حملہ کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ یہ جنگی حملہ جنگی چال کے اعتبار سے مکمل (SURPRISE) تھا۔ وہ یوں کی پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اس وقت کے صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، حکومت پاکستان اور عوام کو باقاعدہ یقین دہانیاں کرواتے رہے کہ "ہندوستان کبھی بھی بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا" وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے ایسے بیانات کو اب کیا نام دیا جائے، بے خبری، نااہلی، دھوکا یا پھر کچھ اور۔ مذکورہ جنگی حملے کا سن کر عوام کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا تھا۔ حقیقت سے آنکھ چرانے سے حقائق اور شواہد نہیں مٹتے۔

راقم کی اس تحریر کا مرکزی مقصد ہی یہ ہے کہ جب کشمیر کی آزادی کی جنگ جاری تھی، کشمیری عوام پر بہانے بہانے سے ہندوستانی حکومت ظالمانہ ہتھکنڈے آزمائے جا رہی تھی۔ نوجوان بوڑھے مردوں کا پولیس اٹھا کر نامعلوم مقامات پر غائب رکھ رہی تھی کیا پاکستان کا وزیر خارجہ ہندوستان کے ان جابرانہ اغیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام سے بے خبر تھا۔

دوسری طرف مارچ 1965 سے رن آف کچھ میں بارڈرز پر سیکورٹی فورسز کے جنگی جھڑپوں میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ان جھڑپوں میں دونوں طرف کے جوان مارے جا رہے تھے۔۔معاملہ دونوں حکومتوں کی پہنچ سے باہر نکل کر اقوام متحدہ کے مبصرین اور نمائندوں تک چلا گیا تھا۔ ایسے گھمبیر اور مہلک حالات میں بھی پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قوم کو یہ یقین دہانیاں کرواتے نہیں تھکتا تھا کہ۔" ہندوستان بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کریگا۔"

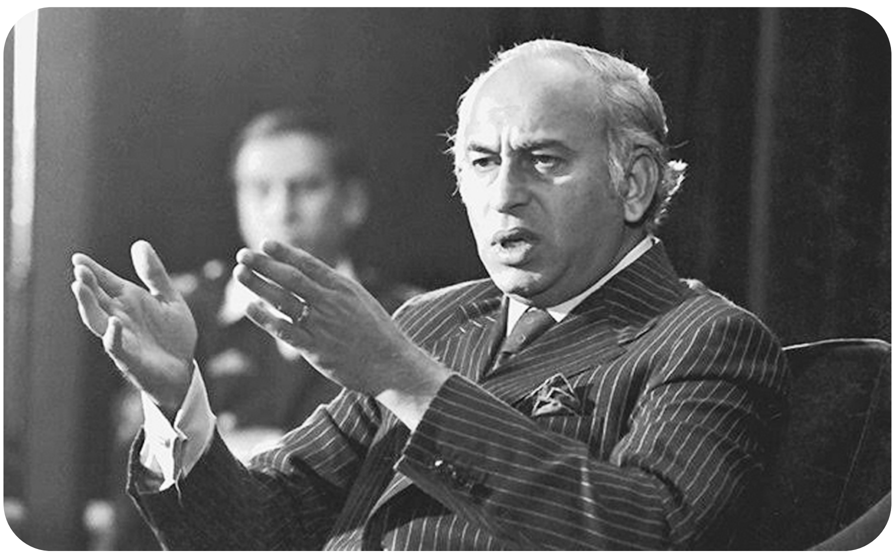

بھٹو کی ان یقین دہانیوں کے پیچھے کیا عوامل وعناصر کارفرما تھے، آج تک حقیقت سامنے نہیں لائی گئی۔ بات بدل بدل کر غیر ضروری تفصیلات میں الجھائی جاتی رہی ہے۔ پوسٹ وار رپورٹس میں بھی اس بارے کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ ہندوستان نے جب یہ حملہ کیا تو، اس وقت لاہور چھاؤنی میں موجود فوجی اپنی صبحِ کی۔ P.T فزیکل ٹریننگ کر کے واپس بیرکس میں جا رہے تھے۔ سر تھونپی گئی اس جنگ میں پاکستانی شہریوں نے اسے ایک خوددار اور غیور قوم کی طرح لڑا اور دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ "پاکستان" کسی اعتبار سے بھی کوئی تر نوالہ نہیں ہے بلکہ " لوہے کے چنوں" کی مانند ہے"

لاہور میں تعینات میجر عزیز بھٹی نے بڑی عجلت میں اپنی کمپنی کے چند جوانوں کو فوری طور پر پیشہ ورانہ مہارت سے بارڈر پر پوزیشن POSITIONED کر کے دشمن کو اپنی دفاعی تڑتڑاہٹ کی گھن گرج سے پیغام دے دیا کہ "اب ہم آ گئے ہیں، آؤ ہم تمہارا مناسب فوجی استقبال کریں گے۔"

ہندوستانی کمانڈرز کو، پانی دفاعی جارحانہ فائرنگ سے یہ احساس ہو گیا تھا کہ پاکستان کو سرپرائز دینے کے باوجود اب انہیں مزید کوئی نقصان پہنچانا ممکن نہیں رہا۔ میجر عزیز بھٹی کی شخصی جرأت، پیشہ ورانہ مہارت اور مضبوط کردار نے صرف ایک فوجی کمپنی نے ہندوستان کو بی آر بی نہر کے اس پار خوب خوب رگیدا، دھویا پھر رگیدا اور انہیں گاڑیاں اور فوجی اسلحہ بارود چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ کمپنی کمانڈر، میجر عزیز بھٹی نے اپنے جرأت مند آفیسرز اور جوانوں کی مدد سے ناممکن کو ممکن بنا دکھایا اور خود شہید ہو گئے۔ انا للہ وان الیہ راجعون۔ انہوں نے محبّ وطن سپاہی، قابل فخر کمانڈر ہونے کا اور سرزمین پاکستان کی حفاظت کی خاطر جان تک دینے کا وعدہ نبھا کر دکھا دیا۔

یاد کرتا ہے زمانہ انہیں انسانوں کو
روک لیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

ستمبر 1965 میں ہندوستان کی پاکستان پر ہزیمت انگیز یلغار اور پاکستان کا قابلِ فخر دفاع کی ساری سرگرمیوں کی گونج میں بھی یہی سوال نمایاں رہا کہ " بھٹو نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہندوستان پاکستان پر حملہ آور نہیں ہوگا" کیا انہیں واقعی رن آف کچھ کے خونیں معرکے یاد نہ رہے تھے، جہاں ایک جھڑپ میں

توہندوستان کے ایک میجر اور ایک کرنل رینک کے آفیسر بھی قید ہوئے تھے۔ بیسیوں فوجی مارے گئے تھے۔

پاکستان کی بارڈر فورس کے کارنامے بھی انہیں یاد ہونا چاہئیں تھے جہاں ہمارے جانبازوں نے جانیں بھی دیں اور جرأت اور بہادری کی داستانیں بھی لکھوائیں، اور دلیری کے نمونے پیش کئے۔ ایک دفاعی پیش رفت کے معرکے میں پاکستان رینجرز کے ایک انسپکٹر کو جب یہ خبر ملی کہ ایک رائفل اندھیرے میں ہندوستانی علاقے میں رہ گئی ہے تو وہ سارے خطرات کو مسترد کرتے ہوئے واپس گئے اور اپنی رائفل ڈھونڈ لائے تھے۔

بھٹو کیسا وزیر خارجہ تھا کہ ان سارے حالات اور واقعات کا عینی شاہد ہونے کے باوجود یہ سمجھتا اور اعلان کرتا تھا کہ "ہندوستان پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔"

میری دانست میں بھٹو کا مذکورہ کردار، اس کے سیاسی پس منظر اور محتاط ترین تجزیاتی الفاظ میں "مشکوک، ناقابلِ بھروسہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بھٹو نے اقتدار میں آنے کی خاطر پاکستان کے آخری گورنر جنرل اور پہلے صدر اسکندر مرزا کو خوشامد میں کی سیاہی میں بھگو بھگو کر یہ جملہ "پاکستان کی تاریخ میں آپ کا نام قائد محمد علی جناح سے اوپر لکھا جائے گا" محبِّ وطن شہریوں کو نہیں بھولا۔ الفاظ مٹ بھی جائیں، پھر بھی مگر ان کی تاثیر نہیں مٹتی۔ اقتدار میں رہنے کی خاطر تب کے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو DADDY کہہ کر مخاطب کرنا خوف اور خوشامد کا اظہار ہی تو تھا۔ مزید یہ کہ یونین آف سوشلسٹ سوویت آف رشیا (روسیوں) کی سربراہی میں پاکستان کے صدر اور ہندوستان کے وزیر اعظم کے درمیان کرائے جانے والے جنگ بندی مذاکرات میں بھی بھٹو کا کردار مشکوک نظر آیا۔ مجبور ریاستی عوام نے تو بھٹو کا کچھ نہ بگاڑا، جیسے تیسے ہوا اسے بھگتا، مگر اس کا تکبر، نخوت اور غرور اللہ الرحمٰن کو پسند نہ آیا۔ اللہ نے بھٹو کو ہٹا کر اقتدار کسی اور کو سونپ دیا گیا۔

رن آف کچھ میں لڑی جانے والی جنگ کسی بلیئرڈ کی میز پر نہیں لڑی گئی تھی۔ رن آف کچھ کی لڑائی کی صورتحال کو معمولی چھیڑ چھاڑ سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھارتی فوج کے ڈپٹی کمانڈر انچیف میجر جنرل کمارا منگلم خود وہاں موجود تھے۔ بھارتی وزیر داخلہ اگلے مورچوں کا دورہ کر رہا تھا۔ ادھر بھی فیلڈ مارشل نے اپنے ڈپٹی، جنرل محمد موسیٰ کو ان حالات میں مضبوط فوجی اقدامات کرنے کو کہہ رکھا تھا۔ میجر جنرل ٹکا خان ڈویژن کمانڈر میدان میں تھے۔ نوجوان لیفٹیننٹ نادر پرویز نے صرف ایک پلاٹون کے ساتھ انڈین چوکی پر حملہ کر کے مکمل تباہ کر دی تھی اور جتنا اسلحہ اٹھا کر لا سکتے تھے اپنے ساتھ لے آئے۔ رن آف کچھ کی ایسی فوجی جھڑپوں میں انڈین میجر، کرنیل سنگھ اور لیفٹیننٹ شرما اور دیگر کئی فوجیوں کو قیدی بنا لیا گیا

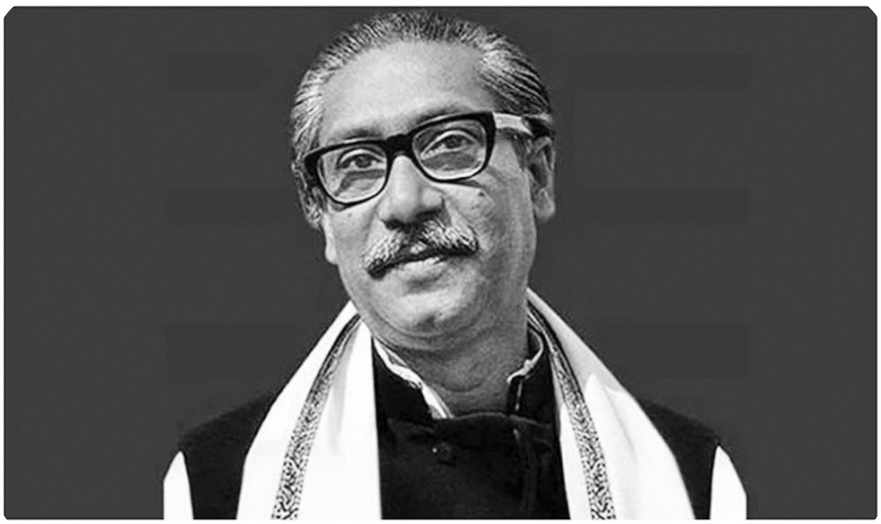

تھا پاکستان کے رینجرز اور عسکری یونٹس کے ہاتھوں بے مثال پٹائی اور میدان اپنے قابو سے باہر ہوتے ہوئے جنگی حالات کے پیش نظر ہی بھارتی وزیر اعظم شاستری نے کہا تھا کہ "اب ہم پاکستان کے خلاف اپنی پسند کے نئے محاذ جنگ کا انتخاب خود کریں گے" مذکورہ بالا حالات کے ہوتے ہوئے بھی بھٹو کا یہ کہنا کہ "ہندوستان پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا" کیا حیران کن امر نہ تھا۔

یہ سوال تو بھٹو کی قبر سے بھی پوچھا جاتا رہے گا کہ جب بارڈرز پر اس قدر فضا گرم ہو چکی تھی تو اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہندوستان پاکستان کی بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا۔ حالانکہ انہیں دنوں میں وہ خود کشمیریوں کی تحریک آزادی کی کوششوں میں مدد کرنے کے لیے آزاد کشمیر کے کمانڈ و مجاہدین کو کشمیر بھجوا چکے تھے۔ ان کا یہ دہرا معیار سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

1965 کی انڈو پاک جنگ بندی کے لیے ماسکو میں ہونے والے مذاکرات میں کئی دفعہ ایسا موڑ آیا تھا کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے مذکرات کی میز سے اٹھ جانے کا عندیہ دیا۔ جنرل بضد تھے کہ اگر مذاکرات میں صرف جنگ بندی پر بحث اور فیصلہ کرنا ہے تو یہ انہیں منظور نہیں ہے۔ مسئلہ کشمیر ہی اصل مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ہم تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ اگر کشمیر کے بارے بات چیت نہیں کرنا ہے تو ہم واپس چلے جاتے ہیں۔

مگر بھٹو انہیں یہ کہہ کر ڈراتا رہا کہ اتنی بڑی عالمی طاقت کی یوں توہین کرنا سفارتی آداب کے خلاف ہوگا جس کو رشین RUSSIANS کبھی نہیں بھولیں گے۔ مبینہ طور پر تو یہ خبر بھی گردش کرتی رہی کہ بھٹو نے انڈین وزیر اعظم شاستری اور وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ سے خفیہ ملاقاتیں بھی کی تھیں۔ فیلڈ مارشل کو جب یہ پتہ چلا تو انہوں نے بھٹو سے گلو خلاصی کا فیصلہ کر لیا۔

بھٹو کی دیدہ دلیری، ڈھٹائی اور چالاکی کی اور مثال تو تب سامنے آئی جب ماسکو سے مذاکرات ٹیم واپس پاکستان لوٹی تو ہوائی اڈے پر بھٹو فوراً اخباری نمائندوں میں گئے اور ان سے جنگ بندی پر قوم کے ردعمل کا پوچھا۔ انہیں بتایا گیا کہ آپ نے میدان میں جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر ہار دی ہے۔ بھٹو نے فوراً پینترا بدلا اور کہا۔ "میں جنرل کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر معاہدہ جنگ بندی پر دستخط کرنے سے انہیں منع کرتا رہا معاہدے پر

دستخط نہ کریں مگر وہ نہ مانا اور معاہدے پر دستخط کر دیئے۔" یہ تھا اس ذوالفقار علی بھٹو کے کردار اور خودداری کا معیار جو جنرل ایوب خان کے آگے ڈیڈی ڈیڈی کہہ کر بچھ بچھ جاتا تھا اپنی مکاری اور ناکامی کو صدر مملکت کے نام کر دیا۔

بھٹو کے شخصی کردار کا شروع سے آخر تک یہ خاصا رہا کہ پہلے معاملات کو بڑی سازشی پردہ داری سے بگاڑتے اور پھر اسے اپنے چاپلوسوں کی مدد سے سمیٹتے اور کریڈٹ لیتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے پہلے مشرقی کو ہندوستانی گٹھ جوڑ سے پاکستان سے الگ کروایا، بنگلہ دیش بنوایا۔ قوم اس المناک حادثے کو نہ برداشت کر رہی تھی نہ علیحدگی کو قبول کر رہی تھی۔ بھٹو نے اسلامی اخوت کے نام پر پاکستان میں اسلامی ممالک کا اجلاس بلوا کر بنگلہ دیش کو الگ خودمختار ریاست تسلیم کروا کر اس اتحاد کی جڑ ہی کاٹ ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان REUNION نہیں تو کم از کم

CONFEDERATION ہی تشکیل پا جاتی۔

زندہ بھٹو کو صرف دو آدمیوں نے خوب جانا تھا۔ ایک مغربی پاکستان کے خان عبدالولی خان نے جنہیں بھٹو نے 1971 میں اقتدار سنبھالنے کے بعد کہا تھا" خان سیاست اقتدار کا نام ہے۔ آؤ مل کر قوم کو بیوقوف بنائیں اور اقتدار کے مزے لیں" دوسرا شخص جو بھٹو کی شخصیت کے تار تار سے واقف تھا وہ مشرقی پاکستان کا شیخ مجیب الرحمٰن تھا۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن پر مقدمہ چل رہا تھا، تو بھٹو شیخ صاحب سے ملا اور ان کا مقدمہ لڑنے کی پیشکش کی۔

شیخ نے بڑا سا "NO AND NEVER" کہہ کر بھٹو کا منہ چڑایا اور واپس بھیج دیا تھا۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے حوالے سے میری تجویز!!!

مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے کی جانے والی کوششوں اور معروضی حالات کا جائزہ لیں تو لگتا ہے یہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید بگڑ کر طوالت پکڑے گا۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ یہ تنازعہ تب تک حل نہیں ہوسکتا جب تک، کشمیری، پاکستان اور ہندوستان تینوں فریق مل بیٹھ کر کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچتے۔ تینوں فریقوں میں صرف کشمیری فریق ہے جسے نہ اپنے موقف سے ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہٹانا ہی چاہیئے، کہ وہ تو فریق مقدمہ ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کو اپنے اپنے موقف میں تھوڑی بہت لچک نہیں بلکہ خاطر خواہ تبدیلیاں لانا پڑیں گی۔

جب بھی ہندوستان اور پاکستان اس موضوع پر مذاکرات کرتے ہیں تو وہ اپنی اپنی حکومتوں کے ردعمل سے خائف ہو کر بات کرتے ہیں۔ اپنے وفد کے موقف میں ذرا سی لچک کا اشارہ ملنے پر متعلقہ ملک کی اپوزیشن حکومت کے لتے لینے شروع کر دیتی ہے۔ اور مسئلہ۔ پھر ڈھاک کے تین پات کے مترادف لٹک جاتا ہے اور پرنالہ وہیں گرے گا کے سے انجام پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔

تین عشروں سے زائد جنگ آزادی لڑتے لڑتے کشمیری اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ کشمیر کی آزادی کے لیے "جہاد کا اعلان" بہت ضروری ہے۔ جہاد کی ضرورت اور اس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ مگر سب سے بڑا سوال پھر وہی ہے کہ جہاد کا اعلان کون سی طاقت کرے۔ بدلتے ہوئے حالات کے تحت، میری دانست میں کشمیریوں (آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر) کی اجتماعی سیاسی قیادت کو آزادی کی خاطر اپنے سارے چھوٹے بڑے سیاسی اختلافات، بدگمانیاں، گلے شکوے ختم کر کے نئے سرے سے اپنے منشور کو ترتیب دے کر اپنی جدوجہد کو آگے بڑھانا چاہیئے۔ اس وقت کشمیریوں کی قیادت، بالخصوص سید علی گیلانی رحمتہ اللہ کی شہادت کے بعد انتشار کا شکار ہو کر بظاہر غیر موثر ثابت ہو رہی ہے۔

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) راولپنڈی / اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر، مصنف اور کالم نگار ہیں، کشمیر الیوم کے لیے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

امام علامہ یوسف القرضاویؒ

اویس بلال

علامہ یوسف القرضاویؒ کا نام محتاج تعارف نہیں، آپؒ عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، مفکر، مجدد، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کی شخصیت مختلف کمالات کا مجموعہ تھی۔حق گوئی مظلوم کی تائید اور ظلم کے خلاف جدوجہد علامہ یوسف القرضاویؒ کی شخصیت کے بنیادی عناصر تھے۔آپ نے جہاں قرآن وسنت کی خدمت کے لئے خود کو وقف کئے رکھا وہیں انہوں نے علم وفکر کے چراغ روشن کئے۔انہوں نے عالم اسلام کے مختلف مسائل میں بے باکی کے ساتھ اظہارِ خیال کیا۔علامہ یوسف القرضاویؒ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد میں صرف کی ان کی کوششوں کا دائرہ بہت وسیع اور مختلف میدانوں میں پھیلا ہوا ہے۔ان کا تعلق مصر سے ہے لیکن چار دہائیوں سے آپؒ قطر میں قیام پذیر تھے۔ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف تھے اکثر کتابوں کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔اسلامی قوانین کی تشریح اور اسلامی نفاذ سے متعلق ان کی تصنیفات نے عالمی شہرت حاصل کی اور اسلامی جدوجہد کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔آپ کے دروس اور خطبات کی ویڈیوز کی تعداد ہزاروں میں ہے آپ کے معتقدین کی تعداد کا ایک بڑا حلقہ ہے جو عرب ممالک سے لیکر یورپ امریکہ اور بر صغیر تک پھیلا ہوا ہے۔آپ کو دنیا بھر میں مجتہد، مجدد اور مفکر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔مجموعی طور پر اس وقت عالم اسلام میں سب سے بڑے اسکالر فقیہ اور عالم دین کی حیثیت حاصل تھی۔علامہ یوسف القرضاویؒ 9 ستمبر 1926ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد شاعر اور سیاسی راہنما تھے۔9 برس کی عمر میں حفظ مکمل کیا اس کے بعد انہوں نے جامعۃ الازہر میں تعلیم حاصل کی اور علوم اسلامیہ میں خصوصی مہارت حاصل کی۔آپ اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البناءؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔اخوان المسلمون کے ساتھ تعلق اور ان کی بعض تصانیف کی وجہ سے انہیں کئی بار جیل جانا پڑا۔یوسف القرضاویؒ مصر کی وزارتِ مذہبی امور میں بھی کام کرتے رہے۔1961ء میں آپؒ نے مصر کو الوداع کہہ کر قطر کا رخ کیا جہاں آپ مختلف یونیورسٹیز میں پڑھاتے بھی رہے اور مختلف ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔2011ء میں جب مصر میں حسنی مبارک کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو آپ نے 1981ء کے بعد پہلی مرتبہ اپنے دیارِ مصر میں قدم رکھا اور پہلی مرتبہ عوامی سطح پر مصر میں ایک بڑے مجموعے عام سے خطاب کیا، جس میں تقریباً پچیس لاکھ عوام شریک تھی۔جمعہ کی نماز بھی آپ نے پڑھائی اور حسنی مبارک کے خلاف احتجاج کا خیر مقدم کیا یوسف القرضاویؒ طویل عرصے تک اخوان المسلمون میں سرگرم رہے اخوان المسلمون کی قیادت نے آپ کو مختلف مناصب کی پیشکش کی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔آپ یورپین کونسل برائے فتویٰ اینڈ ریسرچ کے سربراہ تھے۔انٹرنیشنل علماء یونین کونسل کے چیئرمین بھی تھے۔آپ کو عرب دنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔اسلام آن لائن نیٹ پر لوگوں کے سوالات کے جوابات اور فتویٰ جاری کرتے تھے۔رابطہ عالم اسلامی اور مجموعہ الفقیہ اسلامی کے آپ

9 برس کی عمر میں حفظ مکمل کیا اس کے بعد انہوں نے جامعۃ الازہر میں تعلیم حاصل کی اور علوم اسلامیہ میں خصوصی مہارت حاصل کی۔آپ اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البناءؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔اخوان المسلمون کے ساتھ تعلق اور ان کی بعض تصانیف کی وجہ سے انہیں کئی بار جیل جانا پڑا۔یوسف القرضاویؒ مصر کی وزارتِ مذہبی امور میں بھی کام کرتے رہے۔1961ء میں آپؒ نے مصر کو الوداع کہہ کر قطر کا رخ کیا جہاں آپ مختلف یونیورسٹیز میں پڑھاتے بھی رہے اور مختلف ذمہ داریاں ادا کرتے رہے

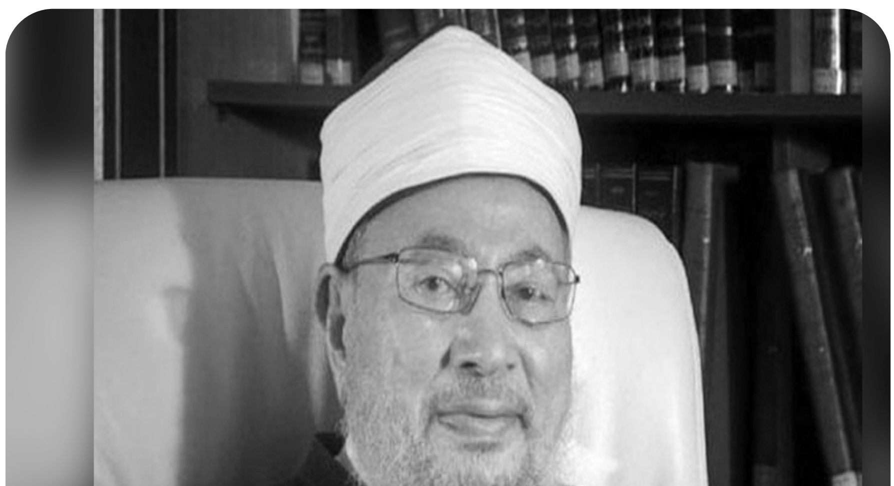

خصوصی رکن اور ذمہ دار رہے ، جامعہ الازہر کی رکنیت بھی حاصل تھی جہاں سے آپ کو معطل کر دیا گیا مسلمانوں کی اکثریت آپؒ کو معتدل قدامت پسند اور جدید حالات سے ہم آہنگ عالم دین قرار دیتی تھی ۔ آپ عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی کرتے رہے ۔

انٹرنیشنل ٹی وی چینل الجزیرہ پر ان کا پروگرام الشریعہ والحیاء بہت مقبول تھا تقریباً چھ کروڑ سے زائد لوگ اسے دیکھتے تھے۔ ان کا شروع سے یہ نظریہ رہا کہ مسلمان دوسروں کو مداخلت کا موقع دینے کے بجائے اپنے مسائل خود حل کریں ۔ مغرب خاص کر امریکہ میں 1999ء سے آپ کے داخلے پر پابندی عائد تھی ۔ 2008ء سے برطانیہ نے بھی آپ کے برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگا رکھی ۔ قبل ازیں 2004ء میں آپ نے برطانیہ کا دورہ کیا ۔ کچھ عرصہ قبل سعودی عرب متحدہ عرب امارات بحرین اور مصر کی جانب سے قطر کا سفارتی بائیکاٹ کیے جانے کے بعد مذکورہ ممالک نے دہشت گردوں کی ایک فہرست جاری کی جس میں 59 ویں نمایاں شخصیات اور بارہ خیراتی اداروں کا نام شامل ہے جنہیں دہشت گرد قرار دیا گیا ان میں شیخ علامہ یوسف القرضاویؒ کا نام بھی شامل تھا ۔ حالانکہ اسی سعودی حکومت نے انہیں اس سے پہلے شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا تھا ۔ اسلام کی نشر واشاعت اور دینی علوم کی خدمات کی بنیاد پر آپ کو دسیوں ایوارڈ سے نوازا گیا جن میں عرب کا شاہ فیصل عالمی ایوارڈ ، دبئی انٹرنیشنل ہولی قرآن ایوارڈ ۔ سلطان حسن البناء ایوارڈ سر فہرست شامل ہیں ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک طویل عرصے تک آپ سعودی عرب اور آل سعود کے یہاں بہت اہمیت کے حامل تھے گزشتہ ماہ ایک تصویر سوشل میڈیا میں وائرل تھی جس میں سابق سعودی شاہ فرمانروا شاہ عبداللہ ایک انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ علامہ یوسف القرضاویؒ سے ملاقات کر رہے ہیں بتایا جاتا ہے کہ سعودی حکومت نے علامہ یوسف القرضاویؒ کو عہدوں کی پیشکش بھی کی تھی لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا ۔ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے برصغیر پاک بھارت کے مشہور ومعروف عالم دین مجدد سید ابوالاعلی مودودیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی ۔ سید ابوالاعلی مودودیؒ کو بھی مختلف طریقوں سے ستایا گیا پابند سلاسل کیا گیا پھانسی کی بھی سزا سنائی گئی تھی ۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا نے اپنی گمراہی اور سخت گیری کے باعث بہت سے نبیوں اور داعیان حق کو خاک وخون میں نہلا دیا ان پر ظلم وستم ہوئے جس جس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی تو ان کو قید وبند کی صعوبتوں اور گرفتاریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ 26 ستمبر 2022ء کو 96 سال کی عمر میں مصر کے علامہ یوسف القرضاویؒ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھانے والے یہ ستارے ظالم وجابر حکمرانوں کے آگے کبھی نہیں جھکے ۔ انہوں نے غیر مسلموں کی بالادستی کو قبول نہیں کیا ، کسی ظالم کا ظلم انہیں حق بات کہنے سے نہیں روک سکا ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا کام زیادہ سے زیادہ لے ، قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

☆☆☆

کچھ عرصہ قبل سعودی عرب متحدہ عرب امارات بحرین اور مصر کی جانب سے قطر کا سفارتی بائیکاٹ کیے جانے کے بعد مذکورہ ممالک نے دہشت گردوں کی ایک فہرست جاری کی جس میں 59 ویں نمایاں شخصیات اور بارہ خیراتی اداروں کا نام شامل ہے جنہیں دہشت گرد قرار دیا گیا ان میں شیخ علامہ یوسف القرضاویؒ کا نام بھی شامل تھا ۔ حالانکہ اسی سعودی حکومت نے انہیں اس سے پہلے شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا تھا ۔ اسلام کی نشر واشاعت اور دینی علوم کی خدمات کی بنیاد پر آپ کو دسیوں ایوارڈ سے نوازا گیا جن میں عرب کا شاہ فیصل عالمی ایوارڈ ، دبئی انٹرنیشنل ہولی قرآن ایوارڈ ۔ سلطان حسن البناء ایوارڈ سر فہرست شامل ہیں

مسیح الدجال.... دجال کون، کب اور کہاں

ڈاکٹر عبدالرؤف

قسط نمبر..01

نام اور معنی

دجال کے لفظ کا مادہ د، ج، ل (دجل) ہے۔ لفظِ دجال اس مادے سے دَجَل کا فاعل اور فعّال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔دجل میں دو معانی اپنی پوری انتہا کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

.1 پہلا معنی جھوٹ، فریب، دھوکہ اور نظر بندی۔

2 جبکہ دوسرا معنی ڈھانپا، چھپانا لپیٹنا اور ملمع سازی کرنا کے ہیں۔

اس اعتبار سے دجل کا معنی ہوا جھوٹ، فریب اور دولت کے ساتھ حق کو باطل سے اس طرح چھپانا کہ دیکھنے والا جھوٹ کو سچ اور باطل کو حق سمجھنے لگے۔عقل پر ایسا پردہ ڈالنا کہ غلط بات عین صحیح اور عین صحیح بات غلط لگنے لگے۔ دجل کے معانی میں سحر اور خمر سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ عقل پر باطل کی ملمع کاری کا مفہوم موجود ہے۔

دجال کے اصل نام کا کسی کو علم نہیں۔ نہ اس کا نام کسی الہامی کتاب میں ہے نہ کسی مذہب میں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ دجال ایک صفت ہے۔ دجال کا لغوی معنٰی ہے۔ بدرجہ اتم دجل کرنے والا۔ سب سے بڑا جھوٹا، بہت بڑا فریبی اور دھوکے باز، سب سے بڑھ کر اپنے کفر کو چھپا کر بظاہر منہ سے حق، حق الاپنے والا، حق کو باطل کے ذریعے چھپا دینے والا باطل کو اس دھوکے اور فریب کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرنے والا کہ لوگ اس کی زبان پر اس حد تک یقین کر لیں کہ حق کو باطل کہنے لگیں اور باطل کو حق کہنے لگیں۔ اس شدت اور مہارت کے ساتھ جھوٹ بولنے والا کہ اگر آگ کو پانی اور پانی کو آگ ثابت کرنا چاہے تو کر دے۔ اور لوگ اس کی بات کو مان لیں۔ عربی زبان میں دجال اس جوہری کو بھی کہا جاتا ہے جو جعل سازی کرے اور نقلی زیورات پر سونے کا پانی چڑھا کر اس طرح پیش کرے کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں۔ دجال اس تلوار کو بھی کہا جاتا ہے جس پر زہر کا پانی چڑھایا گیا ہو۔

دجال کا ایک معنی میک اپ بھی ہے۔ انگلش میں میک اپ سے مراد دھوکہ اور چھپانا ہے چہرے کے عیب چھپانے کے لیے استعمال ہونے وہ کریم یا استر یا فاؤنڈیشن جو شکل کی ہیئت کو بدل کر دکھائے اس کو بھی دجال کہا جاتا ہے۔ گویا لغوی تشریح سے پتا چلا کہ دجال پر دجل کی دو صفات بدرجہ اتم غالب ہیں۔

.1 جھوٹ اور .2 حق کی باطل کے ذریعے چھپانا اصطلاحی معانی میں دجال ایک بڑے فتنے کا نام ہے۔ جو بدرجہ اتم، جھوٹ، باطل، فریب اور دھوکے کے ذریعے حق کو شکست دے گا۔ اور حق کو چھپائے گا، اپنی دجالی حقیقت کو چھپا کر لوگوں کا مسیحا بنے گا، لوگوں کو انسانیت پسندی، مالی مدد، ہمدردی، محبت، اور خودداری جیسے فریب دکھا کر ان کے ایمان پر حملہ آور ہوگا۔

یہودیوں کے ہاں اس دجال اکبر کا صفاتی نام "یوبیل ,"یا "یوبل" یا "ہبل" ہے جس کا معانی طاغوت، نجات دھندہ شیطان یا بت یا بڑے خدا کے ہیں۔ ان کے ہاں صفاتی نام مسیاہ یا مسیحا ہے۔ یہود جس قدر اس فتنے سے مسلمانوں کو خوف زدہ دیکھتے ہیں اسی قدر یا اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ دجال کے منتظر ہیں اور کئی صدیوں سے مسلسل دجال کے لیے ساری دنیا میں راہ ہموار کر رہے ہیں۔

فتنہ دجال کی علامات کے متعلق اسلام، یہودیت، عیسائیت اور ہندوازم میں قریب قریب مشترک مواد ملتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جس گہرائی اور گیرائی کے ساتھ دجال کی حقیقت اور دجالیت کو یہودیوں نے سمجھا ہے کسی دوسرے مذہب نے نہیں سمجھا۔ اس بات کی وضاحت آگے چل کر از خود ہو جائے گی۔ ہمارے ہاں کتب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کی صورت میں مسلمانوں کو فتنۂ دجال سے متنبہ کیا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں دجال کو وسیع معنوں میں بیان کرنے کے لیے مال تمثیلی انداز میں بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ سمجھنے والا کسی شک وشبہ میں نہیں رہتا۔ اور ان علامات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اس تمثیلی انداز کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور فتنہ دجال کی تباہ کاریوں کا وہ خوف رکھتا ہو جو خوف دلانا اسلام کا مقصود ہے۔

تعجب ہے کہ ان احادیث صحیحہ کی پرزور اور خوفناک سراحت کے باوجود مسلمانوں کے ہاں فتنہ دجال کا خوف نہیں پایا جاتا۔ میرے نزدیک اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔

مسلمان دجال کو محض ایک فرد سمجھتے ہیں۔ جو کسی کے گھر پیدا ہوگا،

یہودیوں کے ہاں اس دجال اکبر کا صفاتی نام "یوبیل ,"یا" یوبل "یا" ہبل" ہے جس کا معانی طاغوت، نجات دھندہ شیطان یا بت یا بڑے خدا کے ہیں۔ ان کے ہاں صفاتی نام مسیاہ یا مسیحا ہے۔ یہود جس قدر اس فتنے سے مسلمانوں کو خوف زدہ دیکھتے ہیں اسی قدر یا اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ دجال کے منتظر ہیں اور کئی صدیوں سے مسلسل دجال کے لیے ساری دنیا میں راہ ہموار کر رہے ہیں۔ فتنہ دجال کی علامات کے متعلق اسلام، یہودیت، عیسائیت اور ہندوازم میں قریب قریب مشترک مواد ملتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جس گہرائی اور گیرائی کے ساتھ دجال کی حقیقت اور دجالیت کو یہودیوں نے سمجھا ہے کسی دوسرے مذہب نے نہیں سمجھا

> شاید مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ چونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو اس فتنے سے متنبہ کیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں اس سب کے باوجود تا حال دجال نام کا کوئی شخص دنیا میں آیا نہیں اس لیے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دجال کا ظہور ابھی دور ہے شاید دجال سے اس بے خوفی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمارے آباؤ واجداد اور علماء نے اس امت کو فتنہء دجال کے متعلق آگاہی نہیں دی۔ ہمارے گھروں میں دین کے متعلق گفتگو نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو صرف چند مسلکی رسومات تک ہی محدود ہے

جوان ہوگا، اکیلا ہوگا لمبا تڑنگا ہوگا، مافوق الفطرت طور پر تخلیق کیا جائے گا۔ ماتھے پر کافر لکھا ہوگا۔ اس لیے جب تک مسلمان کوئی ایسا عجیب الخلقت کانا شخص اپنی کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، دجال کو ماننے والے نہیں۔

شاید مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ چونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو اس فتنے سے متنبہ کیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں اس سب کے باوجود تا حال دجال نام کا کوئی شخص دنیا میں آیا نہیں اس لیے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دجال کا ظہور ابھی دور ہے شاید دجال سے اس بے خوفی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمارے آباؤ واجداد اور علماء نے اس امت کو فتنہء دجال کے متعلق آگاہی نہیں دی۔ ہمارے گھروں میں دین کے متعلق گفتگو نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو صرف چند مسلکی رسومات تک ہی محدود ہے۔۔ لیکن ہمارے جمعے کے خطبے اور دینی محافل اس کے تذکرے سے تا حال خالی ہیں۔ ہم اپنے اپنے مسالک اور فقہی اختلافات میں الجھے رہے اور دجال سے بے خبر ہو گئے۔ گویا ہمارا یہ بے خبر ہونا بھی دجال ہی کی چال تھی جس کا ہم نادانستہ شکار ہوئے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم مسلمان دجال اور اس کی حقیقت کو اتنا نہیں جانتے، جتنا جاننا ضروری تھا۔ اب وقت کا اشد تقاضہ ہے کہ ہم خود بھی اس فتنے سے کما حقہ آگاہ ہوں اور اپنی نسلوں کو بھی باقاعدہ اس کی تعلیم دیں۔

شاید دجال کے متعلق ذخیرہ احادیث کو ہم نے قرآن وسنت کے مزاج اور یہودی عادات اور تاریخی اقوام کے انداز فتن کو سامنے رکھ کر نہیں سمجھا۔ اس لیے حدیث کے مفاہیم کو کافی حد تک غلط لے لیا۔ جس سے دجال کی اصل حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی اور نتیجتاً دجال کا وہ خوف اور ڈر ہم سے جاتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ہم نے دجال کو ایک فتنے سے زیادہ محض ایک ایسا شخص سمجھ لیا ہے جس کا توڑ ہم نے نہیں کرنا بلکہ یہ کام حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ذمہ ہے۔ لہٰذا دجال جانے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام جانیں، ہمارا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اس تعبیر کی غلطی نے ہمیں احادیث کے محض سطحی اور لغوی معانی تک محدود کر دیا۔ اور دجالیت کا خوف دلوں سے جاتا رہا۔ (جاری)

جناب ڈاکٹر عبد الرؤف کا تعلق ٹیکسلا سے ہے۔ معروف عالم دین، دانشور اور محقق ہیں۔ کشمیرالیوم کے مستقل کالم نگار ہیں اور بلا معاوضہ لکھتے ہیں

مجاہدوں کو ہمارا اسلام کہہ دینا

ام عبداللہ ہاشمی

ہمارا بچپن خالص جہادی ماحول میں گزرا۔ ایک طرف ہمارے غازی نانا جان تھے جو اکثر گن گرج سے جہادی اور انقلابی ترانے گنگناتے ۔۔ ہمارا بھی بے اختیار جی مچلتا تھا کہ ہم بھی مجاہد ہی بنیں گے۔ دوسری طرف ہمارے سکول اور گھر میں مجاہد رسالہ اور جہاد کشمیر آتا تھا۔ سلیم ناز بریلوی کے لہو گرما دینے والے ترانے الگ سے۔ اکثر مجاہدین گھر میں آتے جاتے تھے۔ ماموں کی وجہ سے ہم سے سوال پوچھا جاتا کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے۔ تو ہم یہ جواب دیتے کہ مجاہد بنیں گے۔ مگر نائن الیون کے بعد رفتہ رفتہ یہ ساری چیزیں اور نام متروک اور مشکوک سے ہونے لگے۔ مجاہد، جہاد اور دہشت گردی کو جوڑ دیا گیا، امریکہ اور اس کے حواریوں نے لفظ جہاد اور مجاہد کو اتنا بدنام کر دیا کہ یہ مقدس ترین نام مشکوک سے لگنے لگے۔۔۔ حالانکہ ۔۔۔۔۔ ہمارے دین کی بنیاد ہی جہاد ہے۔ جہاد کو وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے مگر دین اسلام میں اس کا مطلب دین کی سربلندی اور اللہ کے راستے پر چلنے کا نام ہے۔ جہاد کشمیر کی وہ داستانیں جب مجاہد مقبوضہ وادی سے آزاد کشمیر آتے تو برفانی راستے، گہری گھاٹیاں ان کا راستہ روکنے اور بیچ میں لگی باڑ ان کا عزم وحوصلہ کم کرنے کی ہزار جتن کرتے مگر سلام ہے ان مجاہدوں پر کہ ان کے عزم میں ذرہ بھی لغزش نہ آئی۔ آج بھی کشمیر میں مجاہدین دیوانہ وار و پروانہ وار آزادی کی شمع پر قربان ہو رہے ہیں۔ شمشیر نہ سہی، پتھر تو ہر جگہ موجود ہے۔۔۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

سلام ہے ان سب مجاہدین پر جو امت مسلمہ کے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔

مجاہدوں کو میرا اسلام، میرا خلوص بھرا اسلام

☆٭☆

بنگلہ دیش میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

مشرقی پاکستان ابھی بھی سچے پاکستانیوں کے دل میں اسی طرح زندہ وتابندہ ہے جس طرح بنگلہ دیش سے پہلے اس خطہ ارضی کا وجود دوقومی نظریہ کی حقانیت کے ثبوت کی بنیاد پر موجود تھا۔14اگست1947 کی رقم کردہ فتح اوراس کی پشت پرنسلوں کی جدوجہداورشہدا کی قربانیوں کومحض انتظامی تبدیلیوں سے منسوخ نہیں کیاجاسکتا۔مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنادیا گیالیکن مشرقی پاکستانیوں کے دل سے پاکستانیت کیسے نکل سکتی ہے؟ آج بھی بنگلہ دیش میں پاکستانیوں کی پوری نسل پل بڑھ کر جوان ہوچکی ہے اور وہ پردیسی پاکستانی اپنے اصل پاکستان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کرجس طرح کہ موجودہ پاکستان کے شہری اپنے وطن عزیز کو جاں سے عزیز تر رکھتے ہیں۔اگر کسی کے دل ودماغ میں یہ غلط فہمی ہوکہ سماجی یلغاراورثقافتی بے راہ روی کے باعث پاکستان کی نوجوان نسل کی یادداشت سے ان کے ماضی کو کھرچا جاسکتاہے تو وہ اپنی اس خام خیالی کوحرف غلط کی طرح وقت کی سطور سے عنقا کردے کہ 14اگست1947 کامکمل پاکستان لاکھوں شہیدوں کی امانت تھا، ہے اور رہے گا۔پاکستانی قوم کو جہاں معماران پاکستان ازبر ہیں وہاں پاکستان توڑنے کے کرداربھی نہ صرف ان کے حافظے میں زندہ ہیں بلکہ قوم اپنے سینے میں ان مکروہ کرداروں کے لیے بے پناہ نفرت وحقارت کے جذبات رکھتی ہے اورتاریخ انسانی کی یہ کڑوی حقیقت نوشتہ دیوار ہے کہ قومیں اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتیں۔

انیسویں صدی کے اواخر میں دوقومی نظریہ پوری شدومد سے پیش کیاگیا کہ قومیں مذہب کی بنیاد پر بنتی ہیں،وطن نامی تازہ خداؤں کے عبادت گزاروں نے اس کی تردید کی اور ثقافت،زبان اورتہذیب کے مصالحے سے قوموں کی تعمیرگردانے کی کوشش کی۔بیسویں صدی کے آغاز میں بالشویک انقلاب نے اس نظریے کا ابطال کر دیا کہ مختلف مذاہب کے حامل اشتراکیت کی چھتری تلے جمع ہو گئے تھے۔14اگست1947 کوایک دفعہ پھراس نظریے میں حیات نو درآئی کہ ایک زبان،ایک رنگ اورایک ہی تہذیب و

> اگرکسی کے دل ودماغ میں یہ غلط فہمی ہوکہ سماجی یلغاراورثقافتی بے راہ روی کے باعث پاکستان کی نوجوان نسل کی یادداشت سے ان کے ماضی کو کھرچا جاسکتاہے تو وہ اپنی اس خام خیالی کو حرف غلط کی طرح وقت کی سطور سے عنقا کردے کہ 14اگست1947 کامکمل پاکستان لاکھوں شہیدوں کی امانت تھا، ہے اور رہے گا۔پاکستانی قوم کو جہاں معماران پاکستان ازبر ہیں وہاں پاکستان توڑنے کے کرداربھی نہ صرف ان کے حافظے میں زندہ ہیں بلکہ قوم اپنے سینے میں ان مکروہ کرداروں کے لیے بے پناہ نفرت وحقارت کے جذبات رکھتی ہے اورتاریخ انسانی کی یہ کڑوی حقیقت نوشتہ دیوار ہے کہ قومیں اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتیں

ثقافت کے حامل محض مذہب کی بنیاد پر جدا ہو گئے تھے اور دنیا کے نقشے پر اسلامی نظریہ حیات کے نام کی ایک ریاست وجود میں آ گئی تھی۔17دسمبر1971 کو،نالائق،نااہل،بے دین،حب الوطنی سے بیزارا،ذہنی غلامی کی ماری ہوئی بدکرداراورشراب کے نشوں میں دھت بدمست قیادت کے ہاتھوں مسلمانوں کی سینکڑوں سالہ شانداعسکری تاریخ پرایک قبیح وغلیظ داغ لگا جس کے نتیجے میں دوقومی نظریہ ایک بار پھر مجروح ہوا کہ مذہب کے نام پرمل کر رہنے والےقومیت کی بنیاد پرجدا ہو گئے ۔1989میں متحدہ ریاست ہائے روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوااور جہادافغانستان کے ثمرات کےطور پر چھ مسلمان ریاستوں نے امت مسلمہ کی ٹھنڈی چھاؤں میں پناہ لی اورایک بار پھر دنیاکے سامنے دوقومی نظریہ بارآور ہوا کہ ستر سالوں تک جبر کے تحت رکھے گئے ایک ہی تہذیب وتمدن و معاشرت کے لوگ بالآخراپنے سچے دین کا نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے اپنی اصل سے آن ملے۔

برصغیرپاک و ہند کے سیاسی حلقوں میں پروفیسرغلام اعظم،دوقومی نظریے،پاکستان کے خالق نظریے،کے ایک سپاہی کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔تقسیم پاکستان کی مخالفت ان کا بہت بڑاجرم ہے،یہ وہی فرد جرم ہے جووقت کے طاغوت نے ہر محبّ وطن پر عائدکی ہے۔محسنوں کو غدار بنانے کی رسم اورجاں فروشوں کو پاگل ومجنوں سمجھنے کی ریت کوئی نئی نہیں ہے،انبیاء کی تاریخ سےتحریک پاکستان تک اور قائداعظمؒ بانی پاکستان سے ڈاکٹرقدیرخان محسن پاکستان تک تاریخ نے یہ مرحلے کئی دفعہ دہرائے ہیں۔7نومبر1922 کو پیداہونے والے پیرانہ سال پروفیسرغلام اعظم دوقومی نظریے سے وفا کی پاداش میں آج بنگلہ دیش کی حکومت کے زیرعتاب رہے۔بنگلہ دیش میں وہ ایک دینی وسیاسی جماعت کے سربراہ بھی رہے اور ایک طویل عرصے تک انہوں نے اس ملک میں سیاسی خدمات بھی انجام دیں،لیکن1971 کے بحران میں اپنے سچے موقف،تقسیم پاکستان کی مخالفت،پرڈٹے رہنے کی سزاانہیں ملی اوروہ پابندسلاسل داعی اجل کو لبیک کہہ چکے۔مکتی باہنی کے ہاتھوں اپنے سینکڑوں نہیں ہزاروں نوجوانوں کی شہادت کے باوجود ان پر جنگی جرائم کا بے ہودہ الزام دھرا گیااور1994 میں بنگلہ دیش کی عدالت عالیہ سپریم کورٹ نے فیصلہ بھی دیا کہ پروفیسرغلام اعظم پرجنگی جرائم کا کوئی الزام

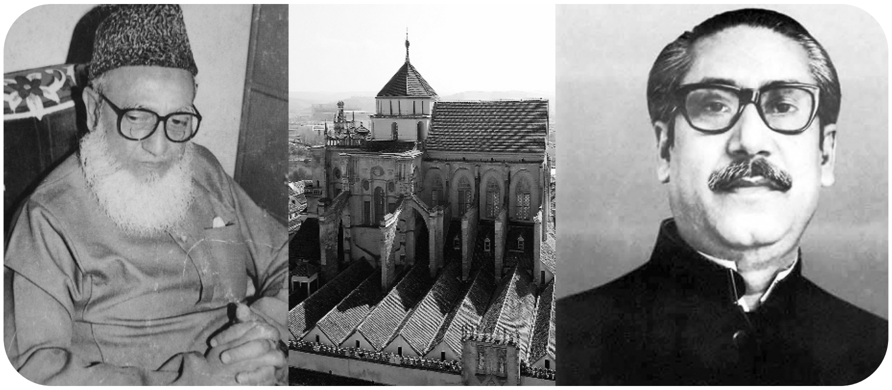

ثابت نہیں ہو سکا اس کے باوجود پہلے تو وقتاً فوقتاً ان پر عتاب شاہی نازل ہوتا رہا لیکن 11 جنوری 2012 سے انہیں باقائدہ گرفتار کرلیا گیا۔حکومت کی ملکی اداروں پر عدم اعتماد کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ عدالت عالیہ کے فیصلے کے بعد بار بار انہیں ''انٹرنیشنل کرائم ٹرائبونل'' کے سامنے پیش کیا گیا۔بنگلہ دیش میں بھارت پسند گروہ اس حد سرگرم ہے کہ وہاں کے ایک باسی کو 88 سال کی بزرگ عمر میں بھی دہائیوں پر محیط گزشتہ ناکردہ گناہوں کی لپیٹ میں لیا گیا ہے،یہ سیکولرازم کا اصل چہرہ ہے جہاں پر انسانیت بالکل ہی ناپید ہے۔

حیرانی کی بات ہے کہ نام نہاد ''بین الاقوامی برادری'' نے ایک ''انٹرنیشنل کرائم ٹرائبونل'' بنگلہ دیش بھیج دیا جو وہاں پر سالہاسال پہلے ہونے والے ایک خونین ڈرامے کے کرداروں پر چھان بین کرے گا لیکن کشمیر پر منظور ہونے والی قراردادا اور کشمیریوں پر توڑے جانے والے مظالم کے پہاڑ انہیں ابھی بھی نظر نہیں آتے۔ بھارتی برہمنیت کی ناک کے نیچے پرورش پانے والے یورپی سیکولرازم کے دہرے معیارات اب دنیا کے سامنے بتدریج کھلتے جارہے ہیں۔اس ''انٹرنیشنل کرائم ٹرائبونل'' نے بھی بنگلہ دیش میں سیکولر بدمعاشوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے مسلمان نوجوانوں کے ذمہ داروں پر ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ ایک اسلام پسند سیاسی راہنما کی درخواست ضمانت مسترد کر کے تو انہیں پابند سلاسل کیا اور ان پر الزام لگایا کہ وہ ''انسانیت اور امن'' کے خلاف جرائم میں ملوث پائے گئے ہیں،گویا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ پروفیسر غلام اعظم کی گرفتاری کے تین ہی گھنٹوں کے بعد انہیں بنگ بندھو شیخ مجیب میڈیکل یونیورسٹی کے اسپتال منتقل کرنا پڑا کہ ان کی صحت اس کربناک اور انسانیت دشمن فیصلے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ان کی زوجہ محترمہ سیدہ عفیفہ اعظم کے بیان کے مطابق انہیں اسپتال کے جیل خانے میں رکھا گیا ہے جہاں ان کی خاطر خواہ علاج نہیں کیا گیا اور وہ علالت کے باعث بہت کمزور ہوگئے ہیں اور بزرگی کی عمر میں ان کا وزن بھی تین کلوگرام تک کم ہوگیا تھا اور حکومت کی طرف سے رشتہ داروں اور وکیلوں سے ملاقات میں روڑے اٹکائے جاتے رہے۔کسی اسلام پسند راہنما کے معاملے پر انسانیت کا راگ الاپنے والے سیکولرازم کے پروردہ ''دانشوروں'' کی زبان بند کیوں ہوجاتی ہے؟اس موقع پر ایک خاتون پر زیادتی پر پوری دنیا میں شور مچانے والے وائٹ ہاؤس اور اقوام متحدہ کے ادارے خاموش کیوں رہ جاتے ہیں،کیا اب بھی اس میں کوئی شک ہے کہ عالمی طاقتوں کی اعلان کردہ جاری جنگ کسی طرح کی تہذیبی کشمکش نہیں ہے بلکہ مذہبی جدال ہے جو کہ اسلام کے خلاف جنگ کے طور پر اعلان کیا گیا ہے۔

بنگلہ دیش کی حکومت اس بات کی براہ راست ذمہ دار ہے کہ ایک بزرگ سیاستدان کے ساتھ انتہائی غیرانسانی سلوک روا رکھا گیا۔انٹرنیشنل بار ایسوسی ایشن، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی بنگلہ دیشی حکومت سے اس معاملے پر احتجاج کیا اور حکومتی رویے کو مسترد کیا۔انٹرنیشنل یونین آف مسلم سکالرز کے راہنما اور اسلامی دنیا کے عظیم مفکر یوسف القرضاوی مرحوم نے بھی پروفیسر غلام اعظم کی گرفتاری کی مذمت کی تھی اور حکومت بنگلہ دیش سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں فوری طور پر رہا کیا جائے اور اپنے بیان میں انہوں نے مزید کہا تھا کہ چالیس سالہ قدیم مقدمات کو از سر نو زندہ کرنا ایک بدترین قسم کی بددیانتی ہے۔ہندوستان کے امیر جماعت اسلامی سید جلال الدین عمری مرحوم نے بھی بھارتی شہری ہونے کے باوجود جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنگلہ دیشی حکومت کے اس اقدام کی مخالت کی تھی۔ پاکستان کے بزرگ سیاستدان اور سابق امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد مرحوم نے بھی بنگلہ دیشی حکومت سے پروفیسر غلام اعظم کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔

پروفیسر غلام اعظم مرحوم سمیت اس وقت تک سینکڑوں لوگ پاکستان سے محبت کی سزا بھگت چکے ہیں اور ان کا جرم صرف دو قومی نظریے کا دفاع ہے کہ انہوں نے نسلی ولسانی امتیاز کو مسترد کرتے ہوئے ایک کلمے کی بنیاد پر اتحاد واتفاق کی حمایت کی تھی اور تفریق وتخریب سے برأت کا اظہار کیا تھا۔بنگلہ دیشی حکومت کو یہ بات زیب نہیں دیتی کی ایک سیکولر اور فاشسٹ ریاست کے ایما پر اپنی دینی برادری کے ارکان پر اس قدر ظلم وستم کے رویے جاری کرے کہ دنیا کے شرق وغرب سے صدائے احتجاج بلند ہونے لگے۔ برہمن کا کردار اگرچہ پاکستان کو دولخت کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن پاکستانیوں کو پھر بھی دولخت نہیں کرسکا،اور ہندوستان کی دھرتی ماتا تو آج بھی منقسم ہی ہے۔بنگلہ دیش سمیت کل مسلمان ممالک کی قیادتوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ امت کے اتحاد کا وقت بہت قریب آن لگا ہے اور یہ نوشتہ دیوار ہے کہ آنے والا کل امت مسلمہ کی میراث ہے،جو چاہے اسے پڑھ لے۔ایک اسلامی ملک کو دولخت کرنے والوں کے سینوں پر بہت جلد سانپ لوٹنے کو ہیں کہ شرق تا غرب کل مسلمان ممالک ایک خلافت اسلامیہ کے جھنڈے تلے جمع ہوا چاہتے ہیں۔ختم نبوت اس کرہ ارض پر آخری خدائی فیصلہ ہے جو بہرصورت نافذ ہوکر رہنا ہے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے اور جبل الطارق کی فضا ایک بار پھر دھوئیں سے معطر ہونے کو ہے کہ مسجد قرطبہ سے صدائے بلالی بس آئی کہ آئی،انشاءاللہ تعالی۔

☆☆☆

ڈاکٹر ساجد خاکوانی معروف دانشور اور استاد ہیں۔
کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے مابین جھڑپیں۔۔۔۔

11 مجاہدین راہ حق میں شہید، متعدد بھارتی فوجی ہلاک، درجنوں زخمی

بھارتی فوج کے ہمراہ بھارتی ایجنسیوں (این آئی اے) اور (ایس آئی اے) کے کشمیر کے کئی اضلاع میں چھاپے۔۔۔درجنوں عام شہری گرفتار

ہمایوں قیصر

17 ستمبر 2022ء۔۔جموں و کشمیر میں بھارتی پولیس نے سینئر حریت رہنما اور معروف مبلغ مولانا سرجان برکتی کو ضلع شوپیاں سے گرفتار کرلیا۔ضلع بانڈی پورہ کے حاجن علاقے میں بھارتی فوج نے تلاشی مہم کے دوران تین نوجوانوں وسیم اکرم، یاور ریاض اور مزمل شیخ کو مجاہدین کا کارکن قرار دے کر گرفتار کرلیا۔ضلع ڈوڈہ کے علاقے میں ایک پولیس اہلکار حادثے کے دوران گاڑی کھائی میں گرنے کے دوران ہلاک ہوگیا۔

19 ستمبر 2022ء۔۔ترال کے علاقے وگہامہ اوزن روڑ کے نزدیک بھارتی پولیس نے دو کشمیری نوجوانوں تنویر احمد بٹ اور طفیل احمد ڈار کو مجاہد کارکن قرار دے کر گرفتار کرلیا۔

20 اگست 2022ء۔۔آزاد کشمیر کے اٹھمقام علاقے میں بھارتی فوج کے پھینکے گئے شل کے پھٹنے سے دو نوجوان قدیر مغل اور امجد مغل جاں بحق ہوگئے۔ضلع اسلام آباد کے پہلگام علاقے میں ایک مظاہرے کے دوران بھارتی فوج نے ایک نوجوان کو گرفتار کرلیا۔ضلع کولگام علاقے میں مذہبی شناخت ختم کرنے کے لئے ایک سکول میں مسلمان بچوں کو انتظامیہ نے ہندو بھجن گانے پر مجبور کر دیا گیا۔

21 ستمبر 2022ء۔۔ضلع بڈگام کے علاقے ناربل میں ایک خاتون عائشہ اختر پراسرار طور پر لاپتہ ہوگئیں۔سرینگر کے علاقے پانڈریٹھن میں ایک بھارتی فوج انوج کمار عمارت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ضلع اسلام آباد کے پہلگام علاقے میں ایک نوجوان کو بھارتی فلم ''گراؤنڈ زیرو'' کے خلاف احتجاج کے دوران گرفتار کیا گیا۔بھارتی پولیس نے اس وقت طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا جب لوگوں نے ضلع کے علاقے پہلگام میں بھارتی فلم کی شوٹنگ عملے کے خلاف احتجاج کیا۔ضلع بارہمولہ کے سوپور علاقے میں تلاشی مہم کے دوران بھارتی پولیس نے دو نوجوانوں امتیاز احمد گنائی وسیم احمد لون ساکنہ بٹنگو سوپور کو مجاہدین کے ساتھ کام کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا۔

22 ستمبر 2022ء۔۔ضلع اسلام آباد کے ہائی گراؤنڈ میں ایک بھارتی فوجی نے اپنی سروس رائفل سے خود پر گولی چلا کر خودکشی کرلی۔

24 ستمبر 2022ء۔۔ضلع پلوامہ میں نامعلوم افراد نے دو غیر کشمیری مزدوروں شمشاد احمد اور فیضان قادری کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔بھارتی ایجنسی ''ایس آئی اے'' نے بھارتی پولیس اور پیراملٹری سنٹرل ریزرو پولیس فورس کے اہلکاروں کے ہمراہ سرینگر، بڈگام اور کپواڑہ اضلاع میں کئی مقامات پر چھاپے مارے۔سرینگر میں ایک ہوٹل پر چھاپے کے دوران گلزار احمد میر نامی شخص کو ہراساں کیا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی۔ایس آئی اے نے ضلع بڈگام کے علاقے بٹہ پورہ کچواری میں بشیر احمد ڈار نامی ایک شہری کے گھر پر چھاپہ مارا۔ایس آئی اے نے مقبوضہ علاقے میں آزادی

پسند کارکنوں، جماعت اسلامی کے رہنماؤں، کارکنوں کے گھروں اور تنظیم کے تعلیمی اداروں ''فلاح عام ٹرسٹ'' کے خلاف بڑے پیمانے پر چھاپوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

25 ستمبر 2022ءضلع بانڈی پورہ کے وانپورہ گریز علاقے میں بھارتی ایجنسی (این آئی اے) نے بشیر احمد میر نامی ایک نوجوان کا رہائشی مکان ضبط کرلیا ہے۔بھارتی فوج نے ضلع کپواڑہ کے مژھل سیکٹر ٹیکری نار میں دو نوجوانوں کو شہید کرنے کا دعویٰ کر دیا ہے۔بھارتی ریاست راجستھان کے جیسلمیر میں پولیس نے مقبوضہ جموں وکشمیر کے ضلع پونچھ سے تعلق رکھنے والے دو نوجوانوں جمیل اقبال اور معروف حسین کو مدرسے کے لئے چندہ جمع کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔

26 ستمبر 2022ء۔۔ضلع کولگام کے علاقے بٹ پورہ میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک معرکہ پیش آیا جس کے نتیجے میں ایک مجاہد کمانڈر ابوھریرہ نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش

کرلیا۔جھڑپ میں کئی بھارتی فوج کے اہلکار بھی زخمی ہوئے ۔ بھارتی فوج نے ظالمانہ کارروائی کرکے عام شہریوں پر فائرنگ کی جس میں دو عام شہری شدید زخمی ہوگئے ۔

27 ستمبر2022ء۔ضلع کولگام آہوتو علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے مابین ایک معرکہ پیش آیا جس کے نتیجے میں دو مجاہدین محمد شفیع گنائی ساکنہ بٹہ پورہ کولگام اور محمد آصف وانی ساکنہ گوپال پورہ کولگام نے بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کردیا۔ بھارتی فوج کی فائرنگ اور مارٹرشیلنگ کی وجہ سے گیس کے گودام میں آگ لگنے کے بعد علاقہ دھماکوں سے لرز اٹھا۔جموں وکشمیر میں مودی کی فسطائی بھارتی حکومت کے زیراثر ایک عدالت نے ایک کشمیری نوجوان فاروق احمد ساکنہ بھدروہ کو جھوٹے مقدمے میں عمر قید کی سزا سنائی ہے۔ضلع اسلام کے بجبہارہ علاقے میں ایک نوجوان اویس گلزار لاپتہ ہوگیا۔

28 ستمبر2022ء۔۔ضلع ادھمپور کے دومیل چوک کے نزدیک ایک پُر اسرار دھماکہ کے دوران دو عام شہری زخمی ہوگئے جبکہ ادھمپور کے علاقے میں ہی ایک اور دھماکہ ایک کھڑی گاڑی کے قریب ہوا جس کے نتیجے میں گاڑی تباہ ہوگئی۔ بھارتی پولیس نے اس دوران ایک خاتون کو بارودی مواد سمیت گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

30 ستمبر2022ء۔۔سرینگر کے علاقے پالپورہ میں بھارتی پولیس نے تلاشی مہم کے دوران ایک بے گناہ کشمیری نوجوان جنید احمد پرے کو گرفتار کرلیا ہے۔ پولیس نے نوجوان کی غیر قانونی گرفتاری کا جواز پیش کرنے کیلئے اسے عسکریت پسند قرار دیدیا ہے۔

2 اکتوبر2022ء۔۔ضلع پلوامہ کے علاقے پنگلنہ میں حزب المجاہدین سے وابستہ مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران قابض بھارتی فوج کی سی آر پی ایف اور پولیس کی مشترکہ چوکی پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ایک پولیس اہلکار ہلاک اور تین سی آر پی ایف اہلکار زخمی ہوگئے ۔ ضلع شوپیاں کے بسکوچن علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں ایک مجاہد نصیر احمد بٹ نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرلیا۔ضلع ادھمپور کے علاقے میں گزشتہ دو دنوں کے دوران بھارتی فوج نے کم ازکم پندرہ بے گناہ نوجوانوں کو علاقے میں پے درپے دو دھماکوں کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔ضلع کٹھوعہ کے علاقے میں بھارتی فوج نے ایک نوجوان ذاکرحسین بٹ کو ہتھیار سمیت گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

3 اکتوبر2022ء۔۔ضلع بارہمولہ میں ایک بھارتی فوجی نے خودکشی کرلی۔انجینئرنگ رینک کے اہلکار راہول بھگت نے ضلع کے علاقے بونیار میں اپنی سروس رائفل سے خود کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔اس واقعے سے جنوری2007 سے اب تک مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجیوں اور پولیس اہلکاروں کی ہلاکتوں کی تعداد555 ہوگئی ہے۔ضلع جموں میں کے علاقے میں مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران ڈائریکٹر جنرل جیل خانہ جات ایچ کے لوہیا کوان کے گھر میں گھس کر ہلاک کردیا۔ ہندواڑہ کے گاؤں بدبگ کے رہائشی25 سالہ کشمیری نوجوان توصیف احمد کی لاش سیاحتی مقام سونہ مرگ کے ایک ہوٹل میں پراسرار طور پر ملی ہے۔ پلوامہ کے علاقے سے ایک نوجوان

عادل احمد وانی اور شوپیاں کے علاقے سے ایک اور نوجوان دانش محی الدین لاپتہ ہوگیا۔

4اکتوبر2022ء۔۔ضلع شوپیاں کے علاقے کیگام میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک معرکہ پیش آیا جس کے نتیجے میں مجاہد زبیر مقبول وانی ساکنہ کیگام، جمشید احمد ماگرے ساکنہ راجپورہ اور حنان بن یعقوب ساکنہ کریم آباد پلوامہ نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرلیا۔ جبکہ اسی ضلع کے علاقے مولو علاقے میں بھارتی فوج کے ساتھ ایک اور جھڑپ میں ایک مجاہد نے بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ضلع پلوامہ کے علاقے حال میں ایک چیک پوسٹ پر بھارتی فوج نے ظالمانہ کارروائی کرتے ہوئے ایک نوجوان محمد آصف پڈر ولد محمد ایوب ساکنہ پوٹروال شوپیاں پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں وہ موقعہ پر ہی شہید ہوگیا۔ضلع بارہمولہ کے سوپور علاقے میں دریائے جہلم سے ایک عدم شناخت شخص کی لاش برآمد کرلی گئی۔

5اکتوبر2022ء۔۔ضلع بارہمولہ کے رفیع آباد علاقے میں بھارتی فوج کا ایک اہلکار چندر موہن سروس رائفل حادثاتی طور پر چلنے کے باعث ہلاک ہوگیا۔

6اکتوبر2022ء۔۔جنوبی کشمیر کے ضلع پلوامہ علاقے میں بھارتی فوج نے ایک نوجوان دانش محی الدین ساکنہ چندرگام کو گرفتار کرلیا۔

7اکتوبر2022ء۔۔ضلع کپواڑہ میں ایک بھارتی پولیس اہلکار تیز رفتار گاڑی کی زد میں آکر ہلاک ہوگیا۔ضلع پونچھ میں بھارتی پولیس نے کالے قانون کے تحت محمد آزاد، قمرالدین، وجاہت، کمال الدین اور سجاد احمد کو گرفتار کرلیا۔ضلع پلوامہ کے لدرماد علاقے میں ایک نوجوان شاکر احمد لاپتہ ہوگیا ہے۔ ضلع لداخ میں مٹی کا تودا گرنے سے چھ بھارتی فوجی ہلاک ہوگئے۔ضلع شوپیاں کے علاقے میں بھارتی فوج نے ایک نوجوان یاور احمد پڈر ساکنہ زینہ پورہ کو مجاہدین کے ساتھ کام کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا جبکہ ضلع کٹھوعہ کے علاقے بلاور سے بھی ایک نوجوان ذاکر

ضلع پلوامہ کے علاقے پنگلنہ میں حزب المجاہدین سے وابستہ مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران قابض بھارتی فوج کی سی آر پی ایف اور پولیس کی مشترکہ چوکی پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ایک پولیس اہلکار ہلاک اور تین سی آر پی ایف اہلکار زخمی ہو گئے

حسین بٹ کو گرفتار کیا ہے۔

8اکتوبر2022ء۔ ضلع کپواڑہ کے علاقے درگمولہ میں نامعلوم گاڑی کی ٹکر سے بھارتی پولیس کے سپیشل پولیس افسر زخمی ہو گیا بعد میں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔

9اکتوبر2022ء۔ ضلع اسلام آباد کے علاقے ٹینگ پووا علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں دو مجاہدین آصف احمد ریشی ولد محمد یاسین ریشی ساکنہ شیخ پورہ مرہامہ بجبہارہ اور وکیل احمد بٹ ولد عبدالاحد بٹ ساکنہ نئی بستی مرحامہ نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔ جھڑپ کے دوران کئی بھارتی فوجی اہلکار زخمی ہو گئے جبکہ اس دوران ایک تربیت یافتہ سراغرساں کتا بھی کئی گولیاں لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ سری نگر ایئرپورٹ پر ایک بھارتی فوجی سکندر کمار ڈیوٹی کو دوران پُراسرار طور پر مردہ حالت میں پایا گیا۔ ضلع بانڈی پورہ میں بھارتی پولیس نے دو نوجوانوں اشفاق مجید ڈار اور وسیم احمد ملک کو گرفتار کر لیا۔ قابض حکام نے ان پر مجاہدین کے لئے کام کرنے کا الزام لگایا اور ان کے خلاف کالے قانون پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کیا ہے۔ بھارتی ریاست جھارکھنڈ میں بھارتی پیراملٹری سینٹرل ریزرو پولیس فورس کے ایک اہلکار مہرہ احمد ساکنہ

بانڈی پورہ گریز نے اپنے ہتھیار سے خود پر گولی چلا کر خودکشی کر لی۔

10اکتوبر2022ء۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کے سینئر حریت رہنما الطاف احمد شاہ نئی دہلی کی تہاڑ جیل میں دوران حراست شہید ہو گئے۔ راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ کے غنڈوں نے جموں خطے کے مسلم اکثریتی قصبے ڈوڈہ میں لوہے کی سلاخیں اور لاٹھیاں ہاتھوں لئے ہوئے مارچ کیا۔ بھارتی فوج کی حمایت سے یہ مارچ سٹی مڈل سکول سے نکالا گیا اور پورے قصبے کا چکر لگانے کے بعد اسی مقام پر ختم ہوا۔

11اکتوبر2022ء۔ بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے این آئی اے نے چھاپے کے دوران حریت رہنما اور الہدیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چیئرپرسن محمد امیر شمسی کو گرفتار کر لیا۔

14اکتوبر2022ء۔ سری نگر کے علاقے میں بھارتی فوج کا ایک اہلکار کلدیپ دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہو گیا۔ جموں کے اضلاع سانبہ اور اودھم پور میں سڑک کے دو حادثات میں دو بھارتی پولیس اہلکار ہلاک ہو گئے ہیں۔ جموں ضلع کے علاقے سوجیاں ڈنہ سے گھروں پر چھاپے کے دوران ایک جھوٹے مقدمے میں معروف کشمیری صحافی فہد شاہ اور ایک پی ایچ ڈی اسکالر عبدالاعلیٰ فاضلی کے خلاف چارج شیٹ دائر کی ہے۔ بھارتی پولیس نے ممتاز کشمیری صحافی اور نیوز پورٹل کشمیر والا کے ایڈیٹر فہد شاہ کو 04فروری کو بھارت مخالف مواد شائع کرنے کے الزام میں غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے کالے قانون یو اے پی اے کے تحت گرفتار کیا تھا۔ ریاستی تحقیقاتی ایجنسی نے 17اپریل کو پی ایچ ڈی اسکالر عبدالاعلیٰ فاضلی جو ایک صحافی بھی ہیں کو نیوز پورٹل کشمیر والا میں ایک مضمون لکھنے پر گرفتار کیا۔

15اکتوبر2022ء۔ ضلع گاندربل کے لار علاقے میں ایک نوجوان محمد اقبال سلیم کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ سری نگر شہر کے الٰہی باغ میں محکمہ آبپاشی اور فلڈ کنٹرول کے ایک جونیئر انجینئر محمد حنیف قاضی کی لاش پراسرار حالت میں برآمد ہوئی۔ جموں و کشمیر میں نریندر مودی کی زیر قیادت فسطائی بھارتی حکومت نے سیاسی انتقام کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے آج مزید پانچ کشمیری سرکاری ملازمین کو جاری تحریک آزادی سے وابستگی کی پاداش میں برطرف کر دیا۔ برطرف کیے گئے ملازمین کی شناخت پولیس کانسٹیبل تنویر سلیم ڈار، بارہمولہ سنٹرل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ کے منیجر آفاق احمد وانی، پلانٹیشن سپروائزر افتخار اندرابی، ارشاد احمد خان، اور پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے اسسٹنٹ لائن مین عبدالمومن پیر کے طور پر ہوئی ہے۔ ضلع شوپیاں کے چودھری گنڈ میں نامعلوم افراد نے ایک شہری پورن کرشن کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔

☆☆☆